۷۸۶
۹۲
امام احمد رضا
اور
علوم عقلیہ
مصنف
علامہ مفتی شبیر حسن رضوی
شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ - رد ناہی فیض آباد
ناشر
جامعہ بُکڈپو قصبہ رونا ہی ضلع فیض آباد (یوپی)

۷۸۶
۹۲

امام احمد رضا
اور
علوم عقلیہ

مصنف

علامہ مفتی شبیر حسن رضوی
شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ۔ رونا ہی فیض آباد

ناشر
جامعہ بکڈپو قصبہ رونا ہی ضلع فیض آباد (یو۔پی)

کتاب ـــــــ امام احمد رضا اور علوم عقلیہ

مصنف ـــــــ علامہ مفتی شبیر حسن رضوی
شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ روناہی فیض آباد

جدید ترتیب و تصحیح ـــــــ محمد اختر حسین قادری بستوی خادم
دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی، بستی

کتابت ـــــــ قاری محمد حسین برکاتی مصباح العلوم
بدھیانی، خلیل آباد، سنت کبیر نگر

اشاعت اول ـــــــ

تعداد اشاعت ـــــــ ۲۱۰۰

ناشر ـــــــ جامعہ بک ڈپو، قصبہ روناہی فیض آباد

ملنے کے پتے

صوفی کتب خانہ	نزد موتی مسجد، ٹیپو سلطان روڈ راچور، کرناٹک
امجدیہ کتب خانہ ـــــــ	نزد ٹاؤن کلب پکہ بازار بستی
مکتبہ الحجاز ـــــــ	ہرن پارک چوک لکھنؤ
المجمع النورانی ـــــــ	علیمیہ جمدا شاہی بستی
مکتبہ جام نور	مٹیا محل دہلی

شرفِ انتساب

فقیر اس حقیر کاوش کو اس ذات بابرکات کی جانب منسوب کر کے سعادت حاصل کر رہا ہے کہ جس نے نہ جانے کتنے قلوب کو عشق و محبت رسول کی شمع سے جلا بخشا اور انھیں اپنے ارشاد و ہدایت کے ذریعہ ضلالت و گمرہی سے بچایا یہ انھیں کا فیض ہے کہ مجھ جیسا بے بضاعت اس لائق ہوا کہ ان کے علوم عقلیہ سے متعلق کچھ گوشوں پر روشنی ڈالے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے دلائل قدرت سے ایک دلیل قدرت تھے اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کریمہ سے ایک معجزہ تھے انکا نام نامی اسم گرامی ہے احمد رضا خان (رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ) اہل نسبت جانتے ہیں نسبت باب رضا

ملتا ہے اس در سے جام قادریت واہ واہ
گر قبول افتد زہے عز و شرف ——— فقط

محتاج دعا و گدا رباب رضا ——— شبیر حسن رضوی نوری غفرلہ القدیر القوی

خادم الجامعۃ الاسلامیہ روناہی
فیض آباد یوپی

تقریظ جلیل

تاج الشریعت مرجع اہلسنت سماحۃ الشیخ مفتی محمد اختر رضا خاں صاحب

قبلہ قادری ازہری، جانشین حضور مفتی اعظم ہند، بریلی شریف

نحمدہٗ و نصلی و نسلم علیٰ رسولہ الکریم و آلہ و صحبہ الکرام اجمعین

میرے محب گرامی قدر حضرت علامہ شبیر حسن صاحب بستوی کا مقالہ " امام احمد رضا اور علوم عقلیہ " بغایت عجلت کہیں کہیں سے دیکھا ماشاء اللہ موصوف نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کے بے شمار فضائل میں سے اس گوشہ کو خوب خوب اجاگر کیا۔ طرز بیان علمی ہونیکے ساتھ ادبی و بامحاورہ اور عام فہم و دل نشیں ہے۔

مولائے کریم ان کا یہ مقالہ قبول فرمائے اور انھیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد و آلہ وصحبہ و بارک وسلم ٥

فقیر محمد اختر رضا قادری ازہری عفی عنہ

نزیل نانپارہ ۱۵؍ محرم الحرام ۱۴۱۹ھ

۱۲؍ مئی ۱۹۹۸ء

عرضِ حال

فقیر کا ایک مضمون المیزان کے امام احمد رضا نمبر میں "امام احمد رضا بحیثیت منطقی و فلسفی" کے عنوان سے بہت پہلے شائع ہوا تھا۔ اہل علم اور اہل محبت نے سراہا کچھ احباب نے فرمایا کہ اسی مضمون کو بسط و شرح کے ساتھ شائع کیا جاتا تو اچھا ہوتا میں نے عرض کیا یہ امر مجھ بے بضاعت کیلئے بہت دشوار ہے لیکن انکے اصرار پر فقیر نے کوشش کیا ایک کتابچہ تقریبًا سو صفحات پر مشتمل ترتیب دیا برادر مکرم حضرت مولانا عتیق الرحمن خاں صاحب بستوی زید مجدہٗ کو دکھایا انھوں نے دیکھ کر فرمایا کہ میں بمبئی لیجا کر اسے شائع کرونگا چنانچہ انھوں نے حضرت مولانا عبد المجید بستوی کو دیا کہ وہ ایک نظر دیکھ لیں اور جہاں ادبی کمیاں ہوں انکی اصلاح کردیں اسی درمیان مولانا عبد المجید صاحب کا افریقہ جانا ہو گیا وہ اپنے ساتھ لیکر چلے گئے یا یہیں بمبئی چھوڑ دیا تھا خدا بہتر جانے کیا ہوا بہت تلاش کے بعد کچھ حصہ مل پایا ابتک وہ ویسے ہی پڑا رہا عزیزی الاسعد مولانا اختر حسین قادری بستوی سے تذکرہ کیا انھوں نے اس کے شائع کرنے کا خیال ظاہر کیا تو میں نے ان سے کہا آپ کچھ تعاون کرو تو شائع ہو جائے چنانچہ عزیز موصوف نے اسکی اشاعت میں کافی دلچسپی لیا اور دیکھنے کے بعد کاتب کے حوالے کر دیا پھر انھوں نے اسکی تصحیح وغیرہ کیا اور جہاں اپنے طور پر انھوں نے ترتیب میں تغیر اور تبدیل کی ضرورت محسوس کیا اسی لحاظ سے انھوں نے کیا۔ عزیز مکرم نہایت باصلاحیت ذی استعداد مدرس ہیں آجکل علیمیہ جمدا شاہی بستی کے مشہور ادارہ میں درس و تدریس کی خدمات انجام دے رہے ہیں مولیٰ تعالیٰ انھیں مزید علم و عمل کی برکتوں سے نوازے۔ انھیں کی کوششوں سے اسطرح یہ رسالہ پیش خدمت ہے۔

فقط محتاج دعا   شبیر حسن رضوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سخنہائے گفتنی

استاذ گرامی جامع معقول و منقول صاحب الفضیلۃ علامہ مفتی شبیر حسن مدظلہٗ شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ رونا ہی کی ذات گرامی درس و تدریس اور مدارس عربیہ کی دنیائے علم و حکمت میں محتاج تعارف نہیں۔ آپ کے سیکڑوں تلامذہ ہند و بیرون ہند اسلام کی تبلیغ اور مسلک اہلسنت کی نشر و اشاعت میں سرگرم عمل ہیں اس طرح موصوف گرامی کا علمی فیضان ہندوستان کی سرحد کو عبور کر کے صحرائے افریقہ اور امریکہ و یورپ کی وادیوں تک پہونچ چکا ہے حضرت کی کفش برداری کا شرف پانے والوں میں یہ فقیر راقم السطور بھی ہے جس نے تقریباً چھ سال تک سفر و حضر خلوت و جلوت میں علم و عمل زہد و تقویٰ اور تدریس و افتاء کے میدان میں موصوف کی زندگی کا مطالعہ کیا ہے موصوف ظاہری زیب و زینت سے دور بے جا تکلفات سے متنفر اور ریاکاری و مکر و فریب جیسی صفات رذیلہ سے سخت بیزار رہتے ہیں۔ دین و ملت کی فکر میں ہمیشہ سرگرداں مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج و اشاعت کے لئے انتھک جد و جہد کرنے والے اور بڑوں کا احترام چھوٹوں کو حسب درجہ نوازنے والے ہیں غرضیکہ موصوف بہت ساری خوبیوں کے جامع ہیں مگر ان تمام اوصاف میں جو صفت ممتاز اور نمایاں ہے وہ ہے سرکار اعلیٰ حضرت امام اہلسنت فاضل بریلوی قدس سرہٗ اور حضور مفتی اعظم ہند سے ان کی والہانہ عقیدت جس کو اگر عشق جنوں خیز سے تعبیر کیا جائے تو بجا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سفر و حضر اور عوام و خواص کی محفل میں جہاں کہیں بھی آپ علمی گفتگو فرماتے ہیں تو ذکر حبیب سے ضرور منہ میٹھا کرتے ہیں۔

موصوف گرامی کا حلقۂ عقیدت اتنا وسیع ہے کہ لوگوں کی آمد و رفت اور انکی خبر گیری و فریاد رسی میں ہی کافی وقت صرف ہو جاتا ہے۔ اوقات درس میں جس انہماک و اشتغال کے ساتھ علمی جواہر پارے بکھیرتے ہیں وہ اہل علم پر مخفی نہیں ہے۔ انھیں اسباب کے تحت آپ تصنیف و تالیف کی جانب توجہ نہیں کر پاتے۔ بہت سارے تلامذہ نے بارہا اصرار کیا مگر امروز و فردا پر معاملہ ٹلتا رہا۔ فقیر راقم السطور نے بھی کئی بار عرض کیا مگر "کل شئی مرھون باوقاتہ"

ع اے رضا ہر کام کا اک وقت ہے۔

بالآخر جب اصرار حد سے بڑھا تو راقم السطور کے ذمہ یہ کام سونپا گیا کہ ایک بسیط مقالہ امام احمد رضا قدس سرہٗ کی ذات بابرکات پر ہے جس میں امام موصوف کی منطق و فلسفہ میں مہارت تامہ اور دستگاہ کامل کی ایک جھلک پیش کی گئی ہے تم اسے نئی ترتیب دیکر کتابت و طباعت کا کام انجام دو راقم نے خوشی بخوشی اسے قبول کیا اور بتدریج کام کا آغاز کر دیا۔ راقم بھی کثرت کار ہجوم یار، ہموم روزگار کی بنا پر نہایت سست رفتاری سے حذف و اضافہ، ترمیم و تسیخ کرتے ہوئے کام کو جاری رکھا ادھر تقدیر نے کروٹ لی اور باندہ سے دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی منتقل ہونا پڑا۔ یہاں مصروفیات نے اور زیادہ اپنی گرفت میں لے لیا مگر خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس کام میں بھی تیزی آگئی اور پھر کتابت کا کام بھی شروع اور طباعت کے مراحل سے گذر کر وہ مقالہ کتاب کی شکل میں آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

کتاب پر کچھ تبصرہ کرنا سورج کے سامنے چراغ دکھانا ہے۔ ایک طرف تو وہ امام الکل فی الکل کی ذات بابرکات ہے جس کا عالم یہ ہے

ع جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں۔

بس اتنا سمجھئے کہ اس کتاب میں اسی ذات ستودہ صفات کے جملہ علوم و فنون میں سے صرف منطق و فلسفہ اور جدید سائنس میں ان کے علمی مقام کا ایک جلوہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور دوسری طرف اس عاشق اعلیٰحضرت کی ذات ہے جو موجودہ علماء کرام میں علم منطق و فلسفہ کے اعتبار سے ایک اہم مقام کی حامل ہے۔

البتہ اتنی بات ضرور عرض کروں گا کہ کتاب چونکہ خالص علمی ہے اس لئے اہل علم حضرات کی توجہ کا خواہاں ہوں۔ وہ اسے دیکھیں اور پھر امام احمد رضا کی وسعت علمی آفاقیت اور جامعیت کا اندازہ لگائیں، ساتھ ہی مصنف کتاب حضور مفتی صاحب قبلہ مدظلہ العالی کے طرز تحریر، اسلوب نگارش اور عام فہم و دل نشیں اندازۂ بیان سے بھی محظوظ ہوں۔

خداوند قدوس حضرت مفتی صاحب قبلہ کی ذات گرامی کو تا دیر ہم میں قائم رکھے اور ان کے علمی فیضان سے اہل سنت کو مستفیض فرمائے۔ (آمین)

نیاز کیش

محمد اختر حسین قادری بستوی

دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی

بستی

۲۲/ محرم الحرام ۱۴۱۹ھ مطابق ۱۹ مئی ۱۹۹۸ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی ابدع النفوس والعقول، والصلوٰۃ والسلام علی العقل الاول سلسلۃ العقول، ومبدأ ضوابط الفروع والاصول رابطۃ العلۃ والمعلول وعلی آلہ وصحبہ الکرام الذین کانوا سرج الهدایۃ والایقان وبارک وسلم الی یوم دخول الجنان بفضل الحنان المنان وعلینا معهم یا رحیم یا رحمٰن ۰

امّا بعد

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ خاک ہند کی خمیر علم و فضل زہد و تقویٰ سے گندھی ہوئی ہے۔ اس خاک سے ہر قرن اور ہر زمانے میں علم و حکمت کے پیکر ابھرے۔ اس کے وسیع و عریض دامن میں ہمیشہ علوم و معارف کے بیل بوٹے جھلملاتے رہے۔ اسکی قسمت کا ستارہ برابر اوج ثریا پر چمکتا رہا۔ اسکے افق پر ہمیشہ فہم و ذکاوت کے آفتاب اپنی خنک تاب تپش آمیز کرنوں سے قلوب و اذہان کو گرماتے اور جگمگاتے رہے۔ اس کا آفتاب ہمیشہ نصف النہار پر رہا۔ کبھی ملا جیون جیسے ماہتاب علم و فن نے تاریک گوشوں کو روشنی بخشی تو کبھی بحر العلوم عبد العلی اور محقق روزگار ملا محب اللہ جیسی دودھیا چاندنی نے ظلمت و تیرگی پر کمندیں ڈالیں اور کبھی امام فکر و فن علامہ فضل حق خیر آبادی جیسی شعاع تیز تاب نے سرد قلوب کو گرمایا۔ مگر جو آفتاب عالمتاب تیرہویں صدی کے نصف اخیر میں طلوع ہوا اسکی ضو فشانی کا حال ہی عجب نرالا رہا۔ وہ خنک چاندنی بھی تھا اور ستارۂ نیم شب تاب بھی۔ وہ سحاب فیض بھی تھا اور رہو نوردوں بھی۔ وہ باد بہاری بھی تھا اور باد سموم بھی۔ وہ نسیم سحری بھی تھا اور صبا روش خرام بھی۔ وہ ابر بہار بھی تھا اور ساون کی رم جھم فوار بھی۔ وہ برسا اور خوب برسا۔ اس کے باران فیض کے چھینٹے بھی سیلاب بن گئے۔ اس کے پرنالے

بذات خود بحر بیکراں ہو کے بہہ نکلے ۔ وہ تو تنہا تھا مگر انجمن کی انجمن اس کی تنہائی پر قربان ۔ وہ اکیلا تھا مگر لاکھوں کا ازدحام ۔ اس کے اکیلے پن پہ نثار ۔ اسکی بزم خموشاں میں نغمۂ لاہوتی بکھرتے رہتے ۔ اس کا وجود تو خاموش تھا مگر ساز ہستی پر ہمیشہ قال النبی کی انگشت پھرا کرتی ۔ اس کا مضراب تو بظاہر بے آواز دکھائی دیتا مگر تار مضراب سے قال اللہ کی زمزمہ سنجی کی مدھر لے سنائی پڑتی ۔ وہ بظاہر سادہ مگر صبغۃ اللہ کی معنویت سے معمور تھا ۔ امام اعظمؓ کا سچا جانشین ، حسن بصری کا صحیح پیروکار ، حضرت ابن مسعود کا سچا خلیفہ ، امام غزالی کا حقیقی نائب ، العلماء ورثۃ الانبیاء و علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کی ایسی مکمل تفسیر تھا جس نے مذعومات باطلہ اور مزخرفات فلاسفہ کی تعمیر منہدم کردی اور تخیلات فاسدہ کا قلع قمع کردیا ۔ جس نے غلط اور باطل دعاوی کے پرخچے اڑا دیے ۔ جو عشق نبوی میں ایسا محو تھا کہ اسی عالم محویت میں اس نے سب کچھ پالیا ۔ اس کی پونجی عشق رسول کی انمول اور لازوال دولت تھی ۔ وہ خاک ہند میں علم کا کرہ تھا ۔

اس کا ہر خط اس کے مرکز علم سے مساوی تھا ۔ اس کا قطر علم ہند کے قطر علم کے ہم پلہ تھا ۔ اس کے جلالت علمی کا آفتاب ہمیشہ خط استوا اور نصف النہار پر رہا ۔ وہ بذات خود قطب بھی تھا اور محور بھی ۔ وہ جزء لایتجزی تھا اور جزء لایتجزی سے مرکب بھی ۔ وہ اجزاء لایتجزی کا اثبات بھی کرتا اور منکرین کا رد ابطال بھی ۔ وہ خود تو حادث تھا مگر اس کے دلائل قویہ قدیم بالذات کے مثبت تھے ، وہ وحدہ ممکن مگر واجب بالذات واحد من کل جہت سے صدور تکثر کا مبرہن تھا ۔ وہ خود بھی ناطق تھا اور ہر شی کے نطق کا مقر و مثبت بھی ۔ وہ جسم تو تھا مگر ہیولی و صورت کا مردد و مبطل تھا ۔ وہ ایشیا کا ایسا عظیم مفکر تھا جس کے سامنے یورپ و امریکہ کے بڑے بڑے قدآور مفکرین اور ماہر ہیئت و جغرافیہ بونے نظر آتے ہیں ۔ وہ کشور علم و فضل کا تاجدار ، مملکت زہد و تقویٰ کا شہریار ، میدان فکر و فن کا شہسوار ، کاروان

عقل و محبت کا سردار ۔ آخر وہ ہے کون ؟ وہ وہی ہے جسے دنیا امام عشق و محبت، مجدد دین و ملت، اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کے نام سے جانتی ہے۔ جو صرف سرزمین ہند تک ہی محدود نہ تھا بلکہ عرب و عجم کے صنادید علم و فضل اور عمائدین فکر و فن بھی ۔ اس کی ستائش میں رطب اللسان تھے ۔ جس کی توقیر کوچۂ مصطفیٰ میں کی گئی ۔ جس کا خطبہ حرمین طیبین کی مقدس سرزمین پر پڑھا گیا ۔ جس کی ذات اب عالم اسلام میں محتاج تعارف نہیں ۔ دنیائے سنیت اس کے علم و حکمت سے روشن و تابناک ہے ۔ ارباب علم و دانش اور اصحاب تحقیق نے مختلف جہات سے قوم کے سامنے اس نادر زمن ہستی کا تعارف پیش کیا مگر حق تعارف کما حقہٗ اب تک ادا نہ ہو سکا ۔

الحاصل اس نابغۂ روزگار شخصیت کو جس علم میں جس حیثیت سے بھی دیکھا جائے وہ اسی حیثیت سے اس فن میں امام ہی نہیں بلکہ امام الائمہ معلوم ہوتے ہیں ۔ مفسر کی حیثیت سے ان کی ذات پر نظر ڈالی جائے تو بلا شبہہ رئیس المفسرین فی العصر نظر آتے ہیں ۔ محدث کی جہت سے پرکھا جائے تو وقت کے امام بخاری و مسلم دکھائی دیتے ہیں ۔ تصوف کے اعتبار سے معلوم کیا جائے تو گروہ بزم صوفیا کی شمع فروزاں نظر آتے ہیں ۔ فقہی حیثیت سے دیکھئے تو اپنے زمانہ کے امام اعظم دکھائی دیتے ہیں۔ فقہی بصیرت و ذہانت کا یہ عالم تھا کہ بعض علماء نے یہاں تک فرمایا کہ امام احمد رضا اگر امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے عہد مبارک میں ہوتے تو ان کے صاحبان کرام کی صف میں ہوتے ۔ نحو و صرف کے لحاظ سے موصوف کو دیکھئے تو امام النحو والصرف کہے جارہے ہیں ۔ شعر و شاعری کے اعتبار سے معلوم کیجئے تو نعت گوئی میں حسان الوقت نظر آرہے ہیں ۔ علوم عقلیہ میں دیکھا جائے تو علم ریاضی کا یہ عالم کہ اقلیدس بھی محو حیرت ہو جائے ۔ منطق و فلسفہ میں مہارت تامہ حاصل کہ امام المناطقہ والفلاسفہ نظر

آتے ہیں۔ غرضیکہ امام احمد رضا کو جس حیثیت اور جہت سے بھی دیکھا جائے تو وہ
جہت سے امام و مقتدیٰ کہے جارہے ہیں۔

عقلی علوم میں آپ کو کس قدر دستگاہ کامل اور مہارت تامہ حاصل
تھی اس کا بخوبی اندازہ ان نادر اور بے نظیر تصانیف کے مطالعہ سے حاصل ہوگا
جو آپ نے ان علوم میں ارقام فرمائی ہیں۔ اور تحقیقات انیقہ و تدقیقات بدیعہ کے
جوہر دکھائے ہیں۔ ہم یہاں آپ کی تصنیفات کا اجمالی خاکہ ہدیۂ ناظرین کر رہے ہیں
جن کو دیکھ کر اس جبل علم و حکمت اور عقل و خرد کے بحر ناپیدا کنار کے علوم و معارف
کا کچھ اندازہ ہو جائے گا۔

علوم عقلیہ میں امام احمد رضا کی تصانیف

۱۔ حاشیہ ملا جلال میر زاہد

۲۔ حاشیہ شمس بازغہ

۳۔ حاشیہ اصول طبعی

۴۔ الکلمۃ الملہمہ فی رد الفلسفۃ القدیمہ

۵۔ فوز مبین در رد حرکت زمین

۶۔ معین مبین بہر دور شمس و سکون زمین

۷۔ مقامع الحدید علی خد المنطق الجدید

امام احمد رضا کی یہ وہ نادر تصانیف ہیں جو منطق و فلسفہ سے متعلق
ہیں اور امام موصوف کی منطق و فلسفہ میں مہارت تامہ پر شہادت بینہ ہیں۔
اب آیئے ذرا امام احمد رضا کی منطق و فلسفہ کے علاوہ دیگر علوم عقلیہ میں ان

بہتر کتابوں اور حاشیوں پر ایک اجمالی نظر ڈالتے چلیں جو موصوف کے افکار تازہ اور میدان تحقیق میں مسائل و دلائل کی تحقیقات رفیعہ و تنقیحات بدیعہ سے روشن و تابناک ہیں اور محقق علم و فن کے جملہ علوم و فنون میں ید طولیٰ رکھنے اور ان کی جودت طبع پر شاہد عدل ہیں۔ لیجئے ملاحظہ کیجئے انکی فہرست اجمالی۔

(۱)	علم زیجات	، کتابیں	، اردو ، فارسی ، عربی ، مستقل و حواشی
(۲)	علم جفر و تکسیر	۱۱	〃 〃 〃 〃 〃
(۳)	علم جبر و مقابلہ	۴	〃 〃 〃 〃 〃
(۴)	علم مثلث ، ارثماطیقی ، لوگارثم	۶	〃 〃 〃 〃 〃
(۵)	علم توقیت ، نجوم ، حساب	۱۶	〃 〃 〃 〃 〃
(۶)	ہیئت ، ہندسہ ، ریاضی	۲۸	〃 〃 〃 〃 〃

سچ کہا ہے کسی نے !

تیری شان عالمانہ نے یہ ثابت کر دیا
تجھ کو ہے زیبا امامت سیدی احمد رضا

یہ تھا امام احمد رضا کا ایک اجمالی تعارف اور ان کی زندگی کا مختصر خاکہ جو ہدیۂ ناظرین کر دیا گیا۔ اگر ان کی حیات عدیم المثال کے تمام گوشوں پر سیر حاصل بحث کیجائے اور انکی جملہ خدمات کو قوم کے سامنے پیش کیا جائے تو ہزاروں صفحات بھی ناکافی ہو جائیں۔ چونکہ یہاں امام موصوف کی ذات منطقی و فلسفی حیثیت سے تعارف مقصود ہے اس لئے آئندہ صفحات میں منطق و فلسفہ کے بعض اہم مسائل پر امام علم و فن کی تحقیقات نادرہ کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کر دں گا۔ اگر امام احمد رضا کی بارگاہ میں یہ حقیر نذرانہ قبول ہو گیا تو یہی میری قسمت کی معراج

ہوگی۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف

اسیر زلف رضا
شبیر حسن رضوی
جامعہ اسلامیہ و ناہی

تالیفات محمد اختر حسین القادری

جدید مسائل زکوٰۃ ـــــ مالیاتی فنڈ و نظام تجارت میں تبدیلی سے پیدا شدہ مسائل زکوٰۃ کا عام فہم بیان

عرس کی شرعی حیثیت ـــــ بزرگوں کے اعراس پر مثبت و منفی پہلو کا تحقیقی جائزہ

مظہر العوامل شرح شرح مأۃ عامل درس نظامی میں داخل کتاب شرح مأۃ عامل کی مختصر دل نشیں شرح

اسلام اور اصلاح معاشرہ ـــــ سماجی برائیوں کو ختم کرنے کے لئے اسلام کا انداز تبلیغ و اصلاح

آئینہ حقیقت ـــــ بستی شہر میں نجدی درندوں کے ظلم کی کہانی

منطق کا تنقیدی جائزہ

پہلا مسئلہ علم کی تعریف

تعریفِ علم

علم ـــــ بدیہی ہے یا نظری ؟ اس بارے میں تین مذہب ہیں (۱) امام رازی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ علم بدیہی ہے اور اس کی تحدید ممتنع ہے (۲) امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علم نظری ہے لیکن اس کی تحدید متعسر ہے (۳) جمہور حکماء اور بعض متکلمین کہتے ہیں کہ علم نظری ہے اور اسکی تحدید سہل ہے۔

اور ان سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ علم جو کہ حقیقۃً منشأ انکشاف کا نام ہے۔ وہ تصور بھی ہوتا ہے تصدیق بھی، بدیہی بھی اور نظری بھی، کاسب بھی اور مکتسب بھی، مطابقۃ مع المعلوم اور لا مطابقۃ معنٰی کے ساتھ متصف بھی ہوتا ہے۔ لیکن انھوں نے اس کی تعریف و تعیین میں اختلاف کیا ہے جس کے نتیجے میں تیرہ مذہب ہو گئے۔ ان میں چند مذہب مشہور ہیں جن کا ترتیب وار ذکر کیا جا رہا ہے۔

(۱) "حصول صورۃ الشیٔ فی العقل" شی کی صورت کا عقل میں حاصل ہونے کو علم کہتے ہیں۔ یہ قول صاحب افق مبین میر باقر داماد کا ہے۔ اس تعریف پر چند وجوہ سے اشکال وارد ہوتا ہے۔ **اشکال اول** علم ایک حقیقت واقعیہ محصلہ ہے اور حصول معنی اعتباری انتزاعی ہے کیونکہ یہ صورت اور عقل کے درمیان ایک نسبت ہے اور انتزاعیات کا انتزاع سے پہلے اپنے مناشی کے سوا اپنا کوئی وجود نہیں ہوتا ہے لہٰذا تعریف مذکور کے اعتبار سے علم ایک امر انتزاعی اعتباری ہو جائیگا جو منتزع کے انتزاع اور معتبر کے اعتبار پر موقوف ہوتا ہے۔

اشکال دوم اگر علم کا اطلاق اس معنی پر کیا جائے تو لازم آئیگا کہ علم مقولات

ہی سے خارج ہو جائے اس لئے کہ حصول وجود کیطرح امور عامہ سے ہے اور امور عامہ بسائط ذہنیہ ہونے کیوجہ سے مقولات سے خارج ہیں ۔

اشکال سوم لفظ صورۃ الشی سے متبادر یہ ہے کہ وہ شی کی واقعی صورۃ ہو اسی واقعی صورت کی اضافت شی کیطرف ہو سکتی ہے۔ اس متبادر کے لحاظ سے جہل مرکب دائرہ علم سے نکل گیا حالانکہ مناطقہ اس کو اقسام علم سے شمار کرتے ہیں ۔

اشکال چہارم لفظ " شیٔ " کی بنا پر لاشی کا علم خارج ہو گیا کیونکہ شیٔ کی صورت کے حصول ہی کو علم کہا جا رہا ہے ۔

اشکال پنجم علم کی یہ تعریف دوری ہے کیونکہ شی کی ایک تعریف یوں بھی کیجاتی ہے "ما یمکن ان یعلم ویخبر عنہ" تو علم کی تعریف میں شیٔ اور شیٔ کی تعریف میں علم ماخوذ ہے یہی دور ہے ۔

اشکال ششم علم کی یہ تعریف علم واجب پر صادق نہیں آتی کیونکہ واجب تعالیٰ عقل و ذہن اور نفس سے پاک و منزہ ہے ۔

اشکال ہفتم اس تعریف کی رو سے جزئیات مادیہ کا علم نکل گیا کیونکہ ان کا ارتسام و حصول عقل میں نہیں ہوتا ہے بلکہ حواس میں ہوتا ہے ۔

ان مذکورہ اشکالات و اعتراضات کے علاوہ کچھ اور بھی اشکال اس تعریف پر کئے گئے ہیں جنکو بخوف طوالت ترک کیا جاتا ہے ۔ اب علم کی دوسری تعریف ملاحظہ فرمائیے ۔

(۲) " الصورۃ الحاصلۃ من الشی عند العقل " عقل کے نزدیک چھپی ہوئی صورت کو علم کہتے ہیں ۔ یہ مذہب ان حکماء کا ہے جو اشیاء کے وجود ذہنی کے قائل ہیں اور ساتھ ساتھ حصول اشیاء بانفسہا کو تسلیم کرتے ہیں اور علم کو مقولہ کیف سے بھی مانتے ہیں ۔

اس تعریف پر بھی بعض وہی اعتراض وارد ہوتے ہیں جو پہلی تعریف پر وارد ہوتے ہیں، مزید اس پر ایک اعتراض اور پڑتا ہے۔

اعتراض آخر:- اس مذہب پر (حصول الشیاء بانفسہا کی وجہ سے) علم اپنے معلوم کے ساتھ متحد ہوتا ہے اور جب علم اپنے معلوم کے ساتھ متحد ہوا تو پھر مُطلقاً مقولۂ کیف سے نہیں ہوسکتا کیونکہ جوہر کی صورت بھی جوہر ہوتی ہے تو لازم آئے گا کہ ایک ہی حقیقت مقولتین یعنی جوہر و کیف کے تحت داخل ہو حالانکہ یہ باطل ہے۔

(۳) "قبول النفس لتلك الصورة یا قبول النفس للصورة الحاصلة" صورت حاصلہ کو نفس کے قبول کرلینے کا نام علم ہے۔

اس پر بھی بعض وہی اشکال وارد ہوتے ہیں جو تعریف اول میں مذکور ہوئے اس کے علاوہ ایک اور اعتراض وارد ہوتا ہے۔

ایک اور اعتراض:- مشہور یہ ہے کہ علم اس معنی کے اعتبار سے مقولۂ انفعال سے ہے تو اعتراض یہ ہوگا کہ مقولۂ انفعال تاثر تجددی کا نام ہے اور "قبول النفس تلك الصورة" اس باب سے نہیں ہے۔

(۴) "الاضافة الحاصلة بین العالم والمعلوم" یعنی عالم و معلوم کے درمیان حاصل ہونے والی نسبت و اضافت کا نام علم ہے۔

ماسبق میں جو اعتراضات پیش کئے گئے ہیں ان میں سے کچھ اس تعریف پر بھی وارد ہوتے ہیں۔ ساتھ ہی اور بھی بعض اشکال پڑتے ہیں جو ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

اعتراض:- اضافت دو چیزوں میں متحقق ہوتی ہے اور معلوم کبھی اعیان میں معدوم بھی ہوتا ہے۔ تو لازم آئے گا کہ اس کے ساتھ علم کا تعلق نہ ہو۔

ایک اور اعتراض:- یہ کہ عالم و معلوم کے درمیان جو اضافت حاصل ہوتی ہے

وہ بعد اس کے حاصل ہوتی ہے کہ پہلے عالم و معلوم ہو جائیں اور عالم کا عالم ہونا اور معلوم کا معلوم ہونا بعد قیام علم متصور ہے۔ پس علم کو اضافت بین العالم والمعلوم پر دو درجہ تقدم ہے۔ لہٰذا علم کو اضافت سے تعبیر کرنا صحیح نہیں ہے۔

(۵)

فلاسفۂ یونان کا ایک مضحکہ خیز استدلال

علم کی اسی چوتھی مذکورہ تعریف پر اعتماد کرتے ہوئے بعض فلاسفۂ یونان نے سرے سے علم باری عز اسمہٗ کی نفی کر دی ہے اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں علم نسبت بین العالم والمعلوم کو کہتے ہیں۔ اور نسبت دو چیزوں کے درمیان ہوتی ہے اور دونوں چیزیں آپس میں ایک دوسرے کی غیر معلوم ہوتی ہیں۔

اب اگر باری تعالیٰ اپنے آپ کو جانے گا تو وہی عالم بھی ہوگا وہی معلوم بھی تو ذات باری تعالیٰ میں تغایر اثنینیت پیدا ہو جائے گی جبکہ ذات حق واحد محض ہے تو اس میں تغایر اثنینیت کی کہاں گنجائش۔ اس لئے اسے اپنی ذات کا علم نہیں۔ اور جب اپنی ذات کا وہ عالم نہیں تو دوسری اشیاء کا بھی عالم نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ جو اپنے آپ کو نہ جانے وہ دوسرے کو بھلا کیا جانے گا۔

استدلال کا جواب! اس بے سر و پا شبہہ سے ان جاہلوں نے علم باری تعالیٰ کا انکار کر دیا لیکن یہ شبہہ بالکل لغو و بیہودہ ہے اس کے متعدد جواب دئے گئے ہیں۔

پہلا جواب ان سفہاء کے استدلال کا آسان جواب تو یہ ہے کہ یہی سوال ہمارا تم سے ہے کہ تم اپنے آپ کو جانتے ہو کہ نہیں؟ اگر نہیں جانتے ہو تو یہ حکم کیسے لگا رہے ہو کہ باری تعالیٰ عالم نہیں ہے اور اگر جانتے ہو تو تمہیں عالم ہوئے تمہیں معلوم ہوئے اور عالم و معلوم میں مغایرت ہوتی ہے اور تمہارے اپنے آپ کو جاننے میں مغایرت نہیں۔ لہٰذا تم اپنے

آپ کو نہیں جانتے اور جب اپنے آپ کو نہیں جانتے تو دوسرے کو کیا جانو گے فهو لجهول کند فهو جهول ایضا

دوسرا جواب :- یہ ہے کہ اپنی ذات کا علم علم حضوری ہے نہ کہ حصولی اور باب اضافت سے علم حصولی ہے نہ کہ حضوری تو علم واجب بذاتہ علم حضوری ہوگا جو اضافت ونسبت سے منزہ ہے یہاں تغایر واثنیت کا کوئی دخل نہیں ہے۔

تیسرا جواب :- عالم و معلوم میں تغایر اعتباری کافی ہے اور ذات باری میں تغایر اعتباری بھی نہ ہو یہ کوئی نہیں کہتا۔ لہذا وہاں تغایر پالیا جائے گا گوکہ اعتباری ہی سہی۔

علم کی ایک اور تعریف

بعض نے علم کی تعریف اس طرح کی ہے ”الحاضر عند المدرک“ الحاضر عند المدرک کا نام علم ہے۔ اب یا تو نفس شئی اور عین معلوم حاضر ہوگا یا شئی کی صورت حاضر ہوگی۔ اگر نفس شئی اور عین معلوم حاضر ہو تو علم حضوری ہے ورنہ علم حصولی ہے۔

علم کی اس تعریف پر فلاسفہ کو بڑا اعتماد ہے کہ علم کی یہ تعریف علم کے سارے اقسام کو شامل ہے۔ حصولی ہو یا حضوری، حادث ہو یا قدیم، ممکن ہو یا واجب سب اس تعریف میں داخل ہیں۔

تعریف مذکور پر ایرادات

علم کی اس تعریف کے اعتبار سے بھی چند ایرادات وارد ہوتے ہیں۔

اعتراض اول :- علم معنی مذکور پر کسی مقولہ متعینہ کے تحت داخل نہیں ہوتا بلکہ

کبھی تو بالکل کسی مقولہ کے تحت نہیں آتا ہے جیسے علم باری تعالیٰ عزاسمہٗ حالانکہ سارے فلاسفہ علم کو کسی نہ کسی مقولے سے مانتے ہیں۔ لہٰذا علم کی یہ تعریف علم واجب علم قدیم کو شامل نہ ہونیکی بنا پر جامع نہیں اور اگر شامل مانا جائے تو کسی مقولہ سے نہ رہ جائیگا

اعتراض ثانی:۔ یہ تعریف دوری ہے کیونکہ فلاسفہ ومناطقہ علم وادراک کو ہم معنی استعمال کرتے ہیں اور علم وادراک کی تعریف انہوں نے حاضر عند المدرک سے کیا ہے۔ اور مدرک ادراک سے مشتق ہے۔ مدرک کا جاننا ادراک کے جاننے پر موقوف ہے۔ اور علم وادراک کا جاننا خود مدرک کے جاننے پر موقوف ہے۔ لہٰذا علم وادراک کا جاننا خود علم وادراک کے جاننے پر موقوف ہوا اور اسی کا نام دور ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ علم کے جتنے معانی بیان کئے گئے ہیں کوئی بھی نقض وایراد سے خالی نہیں ہے۔ ہر ایک پر کسی نہ کسی طرح سے اعتراض وارد ہو جاتا ہے۔ یہ تو ان تعریفات کا حال ہے جن پر فلاسفہ ومناطقہ کو اعتماد ہے اور ان کے نزدیک مشہور ہیں۔ پھر غیر مشہور معانی کا کیا حال ہوگا۔ اسی سے آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔

مگر امام علم وفن شیخ الکل فی الکل امام احمد رضا محقق بریلوی نے علم کی جو تعریف کی ہے اتنی جامع ومانع ہے کہ کسی قسم کا کوئی نقض واعتراض نہیں وارد ہوتا ہے اور مناطقہ کا یہ اختلاف کہ علم حصول صورت کا نام ہے یا زوال صورت کا اس بارے میں بھی امام موصوف کی بیان کردہ تعریف قول فیصل کی حیثیت رکھتی ہے۔

امام احمد رضا کی بیان کردہ تعریف علم

اب آیئے مطاع الکل خاتم المحققین امام احمد رضا نے جو علم کی تعریف کی ہے اسے ملاحظہ کیجئے، فرماتے ہیں!

علم:۔ وہ نور ہے کہ جو شی اس کے دائرے میں آگئی منکشف ہوگئی اور جس سے

متعلق ہوگیا اس کی صورت ہمارے ذہن میں مرتسم ہوگئی ۔

فلاسفہ کی تعریف علم پر امام موصوف کی تنقید

امام احمد رضا نے فلاسفہ کی بیان کردہ تعریف پر ایسی تنقید کی ہے کہ ہر انصاف پسند قاری علامہ موصوف کو داد سخن دینے پر مجبور نظر آتا ہے ۔ آپ فرماتے ہیں ۔
اور فلاسفہ نے جو کہا کہ علم صورت حاصلہ عند العقل کا نام ہے غلط ہے ۔
ان سفہاء نے اصل و فرع میں فرق نہیں کیا ۔ علم سے ہمارے ذہن میں معلوم کی صورت حاصل ہوتی ہے نہ کہ حصول صورت سے علم ،

جب فلاسفہ اپنے علم کو نہیں پہچان سکے علم الٰہی کو کیا جانیں گے حق سبحانہٗ تعالیٰ ذہن و صورت وارتسام و نور عرضی سب سے منزہ ہے نہ اس کا علم حضور معلوم کا محتاج ، اس کا علم حضوری و حصولی دونوں سے منزہ ہے اس کا علم اس کی صفت قدیمہ قائمہ بالذات لازمۂ نفس ذات اور کیف سے منزہ ہے وہاں چوں و چگوں و چرا کا دخل نہیں ہم نہ اس کی ذات سے بحث کر سکتے ہیں نہ اس کی صفت سے بحث کر سکتے ہیں ، اسی لئے حدیث میں ارشاد ہوا ہے ، تفکروا فی آلاء اللہ ولا تفکروا فی ذات اللہ فتھلکوا ، اللہ کی نعمتوں میں فکر کرو اور اس کی ذات میں فکر نہ کرو کہ ہلاک ہو جاؤ گے ۔ اس کی صفات میں فکر ذات ہی میں فکر ہے اور ادراک صفات بے ادراک کنہ ذات ممکن نہیں اور کنہ ذات کا ادراک مخلوق کو محال کہ وہ بکل شیئ محیط ہے ۔ کوئی اسے محیط نہیں ہو سکتا ۔ لاجرم کنہ صفات کا بھی ادراک محال ہے ۔

محترم ناظرین ! ملاحظہ فرمائیں کہ علم کی یہ تعریف ارسطاطالیس سے لیکر ابو نصر فارابی و بو علی بن سینا و نصیر الدین طوسی اور محمود جون پوری تک بلکہ سارے

مناطقہ و فلاسفہ کے نزدیک مسلم اور ان کے درمیان دائر و سائر تھی۔

مگر امام احمد رضا نے ایسی علمی گرفت فرمائی کہ ایک ہی جملہ میں سارے تانے بانے ادھیڑ کر رکھ دئے اور مناطقہ کی تعریف کو بایں طور غلط و باطل ثابت کر دیا کہ "علم سے ہمارے ذہن میں معلوم کی صورت حاصل ہوتی ہے حصول صورت سے علم نہیں ہوتا" یعنی علم نہ ہو تو حصول صورت کیونکر ہوگا۔

یہ ہے فاضل بریلوی کی جودت طبع اور تحقیق انیق کہ جس نے مناطقہ کی ساری تحقیقات پر پانی پھیر دیا۔

دوسرا مسئلہ انسان کی تعریف

انسان کی فلسفی تعریف اور متکلمین

سارے فلاسفہ نے انسان کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔ اَلْاِنْسَانُ ھُوَ حیوان ناطق، انسان حیوان ناطق کو کہتے ہیں اور حیوان کی تعریف کی ہے الحیوان ھو جسم نام حساس متحرک بالارادۃ، حیوان جسم نامی حساس متحرک بالارادہ کو کہتے ہیں۔

اور ناطق کی تعریف متقدمین فلاسفہ نے یوں کی ہے الناطق ھو مدرک الکلیات والجزئیات، ناطق کلیات وجزئیات کے ادراک کرنے والے کو کہتے ہیں۔ منطق کی ساری کتابوں میں انسان وحیوان کی یہی تعریفیں ملتی ہیں۔ فلاسفہ حیوان کو انسان کی جنس اور ناطق کو فصل کہتے ہیں۔

تعریف مذکور پر متکلمین کے اعتراضات

انسان وحیوان کی تعریف پر ہمارے متکلمین حضرات نے بہت سے اعتراضات کئے ہیں کہ

(۱) فلاسفہ کو معرفات کی تعریفات میں اس ایک مثال کے علاوہ کوئی دوسری مثال نہیں مل سکی بلکہ یوں کہیں کہ اس ایک مثال کے علاوہ دوسری مثال گڑھ نہ سکے۔

(۲) حد تام وغیرہ کی تعریفیں دوری ہیں اور تعریف حقیقی کے لئے ضروری ہے کہ تمام ذاتیات وعرضیات کا استحصار واحاطہ کرے۔

پھر ذاتیات وعرضیات میں تمایز وامتیاز ہو جائے کہ یہ فلاں شی کا ذاتی ہے اور

یہ عرضی ہے اور سارے ذاتیات وعرضیات کا احاطہ بڑا ہی متعذر و دشوار ہے اور پھر ذاتیات وعرضیات میں تفرقہ اور ہی مشکل ہے۔

مثلاً شراب کی تعریف، سیال مسکر سے کیجاتی ہے کہ شراب بہنے والی ذی نشہ چیز کو کہتے ہیں، شراب کی اس تعریف میں سیال کو جنس قریب اور مسکر کو فصل قریب کہتے ہیں حالانکہ اس سے قریب تر جنس شراب کا لغوی معنی (پینا) ہے۔ لہٰذا یہ تحقیق کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ انسان کی تعریف جو حیوان ناطق سے کیجاتی ہے اس میں حیوان جنس قریب اور ناطق فصل قریب ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ اس سے قریب تر اجناس وفصول ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ جن چیزوں کو جنس وفصل کہہ رہے ہیں وہ عرضیات ہوں۔

(۲) اور پھر ناطق کا معنی جو مدرک کلیات وجزئیات بتاتے ہیں یہ غیر انسان پر بھی صادق آتا ہے کیونکہ فرشتے بھی مدرک کلیات وجزئیات ہوتے ہیں اور وہ جسم متحرک بالارادہ بھی ہیں، اور ادراک کی صلاحیت تو جانوروں میں بھی پائی جاتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ جانوروں میں کم اور انسانوں میں زیادہ ہے۔ فرق صرف زیادہ وکم کا ہے ورنہ جانور بھی حیوان ناطق ہوتے ہیں۔ اس قسم کے بہت سے اعتراضات حجۃ الاسلام امام غزالی اور رئیس المتکلمین امام رازی وغیرہ نے کئے ہیں۔

مگر امام احمد رضا نے ان اعتراضات سے صرف نظر کرتے ہوئے ایسے اعتراضات اور تحقیقات پیش فرمائی ہیں کہ آج تک کسی نے بھی ایسی نادر تحقیقات نہیں پیش کی۔

امام احمد رضا کی تحقیقات جدیدہ

اب آیئے محقق بریلوی کے اعتراضات اور ان کی تحقیقات بدیعہ کو ملاحظہ فرمایئے اور فلاسفہ ومناطقہ کے فضول تعمقات کا موصوف گرامی کی تحقیقات تعریفیہ

موازنہ کیجیے تاکہ یہ یقین ہو جائے کہ فلاسفہ و مناطقہ فضول تعمقات اور تضییع اوقات کو تحقیق
جانتے تھے۔ وہ صرف اصطلاحات منطقیہ و فلسفہ کے موجد و مخترع تھے لیکن ان اصطلاحات سے
ناواقف تھے بلکہ حقیقتاً علم منطق و فلسفہ سے نابلد تھے۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں۔

شدت اختلاط و عدم تمایز بعد اتحاد نے سفہاء فلاسفہ کو دھوکا دیا جو
ہمیشہ تدقیق کے نام پر جان دیتے اور فضول تعمقات کو تحقیق جانتے ہیں وہ بھی کہاں؟
خاص مقام تحدید میں انسان کی تعریف کر بیٹھے حیوان ناطق، حالانکہ حیوانیت بدن
کے لئے ہے کہ وہی جسم نامی ہے اور ناطق و مدرک روح ہے بلکہ خود حیوان ہی کی تعریف
میں خلط ہے۔ جسم نامی متحرک بدن ہے اور حساس مرید روح (حاشیہ فتاویٰ رضویہ جلد ۲۱)

اور ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں" انسان کی اس وقت تک حقیقت
فلاسفہ کو معلوم نہیں انسان کی تعریف کرتے ہیں حیوان ناطق اور حیوان کی تعریف
کرتے ہیں" جسم نامی حساس متحرک بالارادہ اور ناطق کی مدرک کلیات و جزئیات، اگرچہ
یہ بھی ان کے متاخرین کی رفوگری ہے۔ ان سفہاء نے تو آوازوں پر حدود رکھی ہیں
گھوڑا، حیوان صاہل ہنہنانے والا جانور، گدھا حیوان ناہق رینکنے والا جانور
انسان حیوان ناطق، کلام کرنے والا جانور۔ انھوں نے ناطق کے معنی گڑھے مدرک کلیات
و جزئیات" جسے اصلاً زبان عرب مساعد نہیں!

خیر یوں ہی سہی انسان نام بدن کا ہے؟ یا نفس ناطقہ کا یا دونوں کے
مجموعے کا۔ اول ناطق نہیں کہ ادراک کلیات شان نفس ہے نہ کار بدن، دوم حیوان نہیں کہ
نفس ناطقہ نہ جسم ہے نہ نامی نہ ان کے نزدیک متحرک، سوم نہ حیوان ہے نہ ناطق کہ حیوان
ولا حیوان کا مجموعہ لا حیوان ہوگا اور ناطق ولا ناطق کا مجموعہ لا ناطق ہوگا۔

غرضیکہ واقع میں کوئی شے ایسی نہیں کہ جس پر حیوان ناطق بمعنی مذکور دونوں
صادق ہوں، یہ ہے خود ان کا اپنی حقیقت کے ادراک سے عجز!

(الملفوظ ج ۲ ص ۱۵۸)

امام احمد رضا کی بیان کردہ تعریفِ انسان

محقق بریلوی نے فلاسفہ کی بیان کردہ انسان کی تعریف پر جو تنقید شدید فرمائی اور اعتراضات وارد فرمائے انھیں پر بس نہیں بلکہ انسان کی صحیح تعریف بھی بیان کردی۔ فرماتے ہیں، حق یہ ہے کہ انسان روح متعلق بالبدن کا نام ہے اور روح امر رب سے ہے۔ اس کی معرفت بے معرفت رب نہیں ہوسکتی۔ اسی لئے اولیاء فرماتے ہیں "من عرف نفسہ عرف ربہ" جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے ضرور اپنے رب کو پہچان لیا یعنی معرفت نفس اسی وقت حاصل ہوگی جب پہلے معرفت رب ہو جائے۔

مزید آگے بطور تنبیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ، زنادقہ اسے اس پر حمل کرتے ہیں کہ نفس ہی رب ہے اور یہ کفر خالص ہے۔ (الملفوظ ج ۲ ص ۱۵۸)

انسان کی فلسفی تعریف پر فاضل بریلوی کا شرعی رد

امام احمد رضا نے جس طرح سفہاء فلاسفہ کی بیان کردہ تعریف انسان کو عقلاً باطل فرمایا ہے اسی طرح شرعاً بھی یہ ثابت کردیا ہے کہ وہ باطل و عاطل ہے۔ شرعی نقطۂ نظر سے ناطق ہونے میں انسان کی کوئی تخصیص نہیں ہے بلکہ ہر شئی ناطق ہے۔ لیجئے! موصوف کی باتیں انھیں کے الفاظ میں ملاحظہ کریں۔

سائل نے سوال کیا! حضور حیوانات بھی ناطق ہیں؟

ارشاد فرمایا! بلاشبہ

پھر سائل نے عرض کیا کہ انسان کو اور حیوانات سے تمیز ناطق ہی سے تھی ناطق ہی فصل ہے اور فصل کا دو جنسوں میں اشتراک محال ہے۔

ارشاد فرمایا! یہ تمیز کس کے نزدیک ہے جاہل فلاسفہ تمقار کے نزدیک! ہر شئی ناطق ہے شجر حجر، دیوار و در سب ناطق ہیں۔ نص ہے قَالُوا أَنْطَقَنَا اللّٰہُ الَّذِیْ أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ اور نصوص کا ان کے ظواہر پر حمل واجب بلا ضرورت ان میں تاویل باطل و نا مسموع وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ، کوئی شی ایسی نہیں کہ اللہ کی تسبیح و تحمید نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ (الملفوظ ج ۴ ص ۳۹۳)

قارئین محترم! ملاحظہ کیجئے امام احمد رضا کی ذہانت اور خداداد علمی صلاحیت کو، وہ تحقیقی جواہر پارے بکھیرے ہیں کہ طبیعت جھوم اٹھے اور زبان کہنے لگے۔

جس سمت آ گئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں۔

بابِ دوم

فلسفۂ قدیم کا تنقیدی جائزہ

پہلا مسئلہ

الجزء الذی لایتجزیٰ

وادی رضا کی کوہ ہمالہ رضا کا ہے
جس سمت دیکھئے وہ علاقہ رضا کا ہے

مسئلہ جزء لایتجزیٰ

ما سبق میں منطق کا ایک مختصر تنقیدی جائزہ اور اس سلسلے میں فاضل بریلوی کی نادر زمن تحقیقات کو آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ اب فلسفہ قدیم کے چند مباحث پیش کیے جا رہے ہیں ان کے مطالعہ سے یہ امر بالکل ہی انشاء اللہ تعالیٰ واضح ہو جائیگا کہ فلسفہ قدیمہ کے ماہرین و اساطین ارسطو طالیس سے لیکر ملا محمود جونپوری مصنف شمس بازغہ تک سب کے سب امام احمد رضا کے سامنے طفل مکتب سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے ہیں۔

جزء لایتجزیٰ اور مذاہب فلاسفہ و متکلمین

سارے فلاسفہ اس بات پر متفق ہیں کہ جزء لایتجزیٰ یعنی ایسا جز جسکی تجزی و تقسیم قطعاً، کسراً، وھماً، فرضاً کسی طرح نہ ہو سکے، باطل ہے اس سے جسم کی ترکیب نہیں ہو سکتی۔ جسم ہیولیٰ و صورت سے مرکب ہے۔ ہمارے سارے متکلمین اس بات کے قائل ہیں کہ اجسام کی ترکیب اجزاء لایتجزیٰ سے ہے۔

ابطال جزء لایتجزیٰ کا مقصد قدامت عالم کا ثبوت

فلاسفہ کے نزدیک جزء لایتجزیٰ کے ابطال کا مسئلہ ایسا ہے کہ پورے فلسفہ کی تعمیر جزء کے ابطال پر مبنی ہے اسی لئے فلسفہ قدیمہ کی ساری کتابوں میں اس مسئلہ کو پہلے ذکر کرتے ہیں اور اس کے ابطال سے ابتداءً مقصد کہ جسم ہیولیٰ اور صورت سے مرکب ہے۔

جزء لایتجزیٰ کے بطلان پر فلاسفہ کی دلیل

فلاسفہ ابطال جزء پر بہت ساری دلیلیں پیش کرتے ہیں۔ ہم ان میں سے چند دلائل کا ایک سرسری مطالعہ آپ کے سامنے رکھ رہے ہیں اور اس سلسلہ میں امام احمد رضا کا نظریہ اور فلاسفہ کی دلیلوں رد و ابطال امام موصوف کے الفاظ میں ہدیۂ ناظرین کریں گے۔

جزء کے ابطال کی دلیل یہ ہے کہ ایک جزء کو دو جزء کے درمیان فرض کریں، اب دو حال سے خالی نہیں یا تو وسط طرفین کی ملاقات سے مانع ہوگا یا نہیں؟ اگر مانع از ملاقات طرفین نہیں ہے تو اجزاء آپس میں متداخل ہو جائیں اور تداخل محال ہے۔

اور مانع ہونے کی صورت میں وسط و طرفین میں دو دو جہتیں نکل آئیں گی۔ لہٰذا وسط و طرفین دونوں منقسم و متجزی ہو گئے حالانکہ غیر منقسم تسلیم کیا گیا تھا۔

مسئلہ جزء لایتجزیٰ میں امام احمد رضا کا فیصلہ سنئے محقق بریلوی اپنی تصنیف لطیف "الکلمۃ الملہمۃ" کے اکتیسویں[۳۱] مقام میں فرماتے ہیں، جزء لایتجزی باطل نہیں یہ وہ مسئلہ علم کلام ہے جسے نہایت پست حالت میں سمجھا۔ بلکہ اس کے بطلان پر یقین کلی کیا جاتا ہے۔ فلاسفہ اس کے ابطال پر چمک چمک کر دلائل حتیٰ کہ بکثرت براہین ہندسیہ قائم کرتے ہیں۔ عقلی تمسک میں بیان ہندسی سے زیادہ اور کیا ہے جس میں شک و تردد کو اصلاً جگہ ہی نہیں رہتی اور متکلمین ان دلائل سے جواب نہیں دیتے اپنے سکوت سے ان کا لاجواب ہونا بتاتے ہیں۔ تو گویا فریقین اس کے بطلان پر اتفاق کئے ہیں مگر ہم بحمدہ تعالیٰ واضح کردیں گے کہ اس کے رد میں فلاسفہ کی تمام حجتیں

اور ہندسی براہین پادر ہوا ہیں۔ (الکلمۃ الملہمہ ص ۱۰۵)

جزر لایتجزیٰ اور امام کا مسلک اسلم

مسئلہ مذکورہ میں امام احمد رضا ارشاد فرماتے ہیں "ہمارا مسلک فریقین سے جدا ہے۔ ہمارے نزدیک جزر لایتجزیٰ باطل نہیں "خلافاً للحکماء" لیکن دو جزوں کا اتصال محال ہے۔

ظاہر ہے کہ اتصال غیر تداخل ہے تو وہ یوں ہی ممکن کہ ہر ایک میں شیٔ دون شیٔ، یعنی جدا اطراف ہوں دونوں ایک ایک طرف سے باہم ملیں اور دوسری طرف سے جدا رہیں ورنہ تداخل ہو جائے گا اور جزر میں شیٔ دون شیٔ محال، تو وہ اپنی نفس ذات سے آبی اتصال فلسفی کی تمام براہین ہندسیہ اور اکثر دیگر دلائل اس اتصال ہی کو باطل کرتے ہیں وہ اتصال اجزار) خود ہمارے نزدیک بنفس ملاحظہ معنی اتصال وجزر سے باطل ہے" (ایضاً ص ۱۰۸)

قارئین کرام! ملاحظہ فرمائیں، امام احمد رضا کے علمی تبحر اور فکری صلاحیت کو کہ فلاسفہ کے تمام دلائل و براہین کو ایک جملہ میں اڑا دیا کہ "اتصال جزئین محال ہے"

لهذا تقریر دلیل میں جو کہا گیا کہ ایک جزء کو دو جزوں کے درمیان فرض کریں! یہ فرض، فرض محال ہے اور فلاسفہ کی ساری دلیلیں اتصال جزئین کو باطل کرتی ہیں۔ نفس جزر کا بطلان کسی بھی دلیل سے نہیں ہوتا اور جزر لایتجزیٰ میں شیٔ دون شیٔ ہوتی ہی نہیں کہ تغایر جہتیں نکال کر انقسام کرد ــــ حضرات متکلمین نے اثبات جزر کے سلسلے میں بہت کچھ کلام کیا ہے! امام احمد رضا فرماتے ہیں "وہ ہمارے نزدیک تمام نہیں اگرچہ ان میں بعض کو شرح مقاصد میں قوی بتایا۔ (ایضاً ص ۱۰۹)

فلسفہ کی کتابوں میں جزر لایتجزیٰ کے ابطال پر ۲۹ر دلیلیں مذکور ہیں اگرچہ

بعض بعض میں متداخل ہیں لیکن فاضل بریلوی نے ایک ایک کا ایسا رد و ابطال فرمایا کہ فلسفی پھر کبھی دم نہیں مار سکتا ہے اور فلاسفہ کے دلائل کے رد و ابطال میں جتنے بھی شبہات تھے ان سب شبہات کا بھی رد فرمایا۔ جو فلاسفہ کے حاشیۂ خیال میں نہیں رہے ہوں گے۔

اتنے پر ہی بس نہیں کیا بلکہ عقلاً جزء لا یتجزیٰ کو ثابت کرنے کے ساتھ ساتھ کلام ربانی قرآن حکیم سے بھی جزء لا یتجزیٰ کو ثابت فرمادیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

اثبات جزء لا یتجزیٰ بہ نص قرآن حکیم

قَالَ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی وَمَزَّقْنٰھُمْ کُلَّ مُمَزَّقٍ تمزیق پارہ پارہ کرنا، ہم نے ان کی کوئی تمزیق باقی نہ رکھی سب بالفعل کردی۔ ظاہر ہے کہ یہاں تمزیق موجود مراد نہیں ہوسکتی کہ تحصیل حاصل ناممکن۔ لاجرم تمزیق ممکن مراد یعنی جہاں تک تجزیہ کا امکان تھا سب بالفعل کردیا تو ضرور یہ تجزیہ ان اجزاء پر ہوا جن کے آگے تجزیہ ممکن نہیں ورنہ "کل ممزق" نہ ہوتا کہ ابھی بعض تمزیقیں باقی تھیں، اور وہ اجزاء جن کا تجزیہ ناممکن ہو نہیں مگر اجزاء لا یتجزیٰ!

تو اس تقدیر پر حاصل یہ ہوا کہ ان کے اجسام کے تمام اتصالات حسیہ ہر حصے اور ہر ہر حصے کے حصے باطل فرما کر ان کے اجزاء لا یتجزیٰ دور دور تک بکھیر دئے کہ اب کسی جزء کو دوسرے سے اتصال حسی بھی نہ رہا۔ (الکلمۃ الملہمۃ ص ۱۰۹)

استدلال مذکور پر اعتراض اور اسکا دفاع

اس تقدیر پر فلاسفہ اعتراض کر سکتے تھے کہ آیت کی تقسیم فکی مراد ہے نہ کہ وہمی۔ یعنی خارج میں جتنے پارے ہو سکتے

تھے سب کر دیئے گئے اگرچہ ہر پارہ وہم میں غیر متناہی تقسیم سے منقسم ہو سکتا ہے تو اجزاء لایتجزیٰ کا ثبوت نہ ہو سکا کیونکہ وہ وہماً بھی قابل انقسام نہیں ہوتے۔

فاضل بریلوی اس اعتراض کو دفع فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں اولاً تخصیص بلا دلیل باطل و ذلیل، ثانیاً وہم سے اگر مجرد اختراع مراد ہو تو وہ کہیں بھی بند نہیں اور اگر واقعیت رکھے تو ناممکن ہے۔ جب تک واقع میں شی دون شی یعنی دو متمایز حصے نہ ہوں، حکمی وہمی کا فرق انسانی علم قاصر و قدرت ناقصہ کے اعتبار سے ہے، شی جب غایت صغر کو پہونچ جائے گی انسان کسی آلے سے بھی اس کا تجزیہ نہیں کر سکتا بلکہ وہ اسے محسوس ہی نہ ہوگی، تجزیہ تو دوسرا درجہ ہے۔

لیکن مولیٰ عزوجل کا علم محیط اور قدرت غیر متناہی، جب تک حصوں میں شی دون شی کا تمایز باقی ہے قطعاً مولیٰ عزوجل ان کے جدا فرمانے پر قادر ہے۔ تو وہ جو تفرق فرمائے اس میں "کل مفرق"، وہیں منتہی ہوگا جہاں واقع میں شی دون شئ باقی نہ رہے اور وہ نہیں مگر جزء لایتجزیٰ (ایضاً ص ۱۰۹)

یہ ہے امام احمد رضا کی تحقیق انیق جس کو دیکھنے کے بعد برملا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

شعر

تیری شان عالمانہ نے یہ ثابت کر دیا ۔۔۔ تجھ کو ہے زیبا امامت میرے احمد رضا

شکل عروسی حماری سے جزء لایتجزیٰ کا ابطال

اقلیدس کی سیتالیسویں شکل، شکل عروسی اور بیسویں شکل، شکل حماری ہے۔ ان دونوں شکلوں سے فلاسفہ جزء لایتجزیٰ کے رد و ابطال میں کام لیتے ہیں اور ان اشکال پر فلسفہ کو بڑا ناز ہے کہ جزء باطل ہے اور اتصال جسم ثابت ہے۔

مگر امام احمد رضا ان دونوں شکلوں کو ایک جملے میں اڑا دیتے ہیں جیسا کہ ابھی ظاہر ہو جائیگا

لیکن آیئے پہلے شکل عروسی و شکل حماری کے دعوے ملاحظہ فرمایئے اور ان سے فلاسفہ جزلایتجزیٰ کا ابطال کس طرح کرتے ہیں اور متکلمین کیسے ان دلائل کا رد فرماتے ہیں بعدہٗ امام احمد رضا کا محاکمہ بین الفریقین ملاحظہ فرمائیں۔

شکل عروسی! اس شکل کا دعویٰ یہ ہے کہ جس کسی بھی مثلث کا کوئی زاویہ قائمہ ہو تو اس کے سامنے والے وتر کا مربع مابین ضلعین کے مربعوں کے برابر ہوگا۔ مثلاً ہم ایک مثلث قائم الزاویہ فرض کرتے ہیں کہ جس کی دونوں ضلعوں میں ایک ۴ انچ اور دوسری ضلع ۳ انچ ہے تو اس کے سامنے والے وتر کا مربع ۵ انچ برابر ہوگا۔

صورتہ شکل ۱

یعنی اس مثال مذکور میں ہم تسلیم کرلیتے ہیں کہ ا، ب، ۳ انچ ہے اور ب، ج ۴ انچ ہے اور ان دونوں ضلعوں کا مربع ۲۵ ہے۔ ۳ کا مربع ۹ ہے اور ۴ کا مربع ۱۶ ہے اور دونوں کا مجموعہ ۲۵ ہے۔ لہٰذا آ، جؔ ۵ انچ برابر ہے یعنی اج = اب + ب، ج کے ہے۔

فائدہ! عدد کو فی نفسہٖ ضرب دینے پر جو حاصل ہو اسے مربع کہتے ہیں اور عدد خود اس مربع کا جذر ہے مثلاً ۴ کو ۴ میں ضرب دینے پر حاصل ضرب ۱۶ ہوتے ہیں تو ۱۶، ۴ کا مربع ہے اور خود ۴، ۱۶ کا جذر ہے۔

اور مربع کا مشہور معنی وہ شکل مقدار ہے کہ جسے چار حدیں گھیرے ہوں۔

وتر! اس خط کو کہتے ہیں جو ضلعین کے مابین واصل ہوتا ہے۔

شکل حماری:- اس شکل کا دعویٰ یہ ہے کہ کسی بھی مثلث کے دو ضلعے ملکر تیسرے سے بڑے ہوں گے۔ مثلاً ایک مثلث ا، ب، ج ہے۔

صورتہ ھکذا

اس مثلث میں جن دو خط کو لو وہ دونوں ملکر تیسرے سے بڑے ہوں گے۔ مثلاً ہم کہتے ہیں کہ ب، ج اور ا، ج ملکر ا، ب سے بڑے ہیں۔ ا، ب، ج کو لو ا، ج برابر زائد کھینچ کر د تک لائیں، لہٰذا یہ کہتے ہیں کہ ب، د، ا، ب سے بڑا ہے۔

اب ان شکلوں کو ذہن نشین کر لینے کے بعد فلاسفہ کس طرح جزلایتجزیٰ کو باطل کرتے ہیں ملاحظ فرمائیں!

فلاسفہ کہتے ہیں کہ اگر جزءلایتجزیٰ حق ہو اور اس کا ثبوت تسلیم کیا جائے تو ہم ایک مثلث قائم الزاویہ فرض کریں گے کہ جس کی دو ضلعیں (جو زاویہ کو محیط ہیں) دس دس جزء کی ہوں تو وتر کا مربع ضلعیں کے مربعوں کے برابر ہوگا کیونکہ یہی شکل عروسی سے ثابت ہے اور دونوں کا مربع ۲۰۰ ہے اور دو سو کا جذر صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ چودہ کا مربع ایک سو چھیانوے ہوتا ہے۔ اور پندرہ کا مربع ۲۲۵ ہوتا ہے۔ لھذا وتر چودہ جزء سے زائد او پندرہ جزء سے کم ہے اور چودہ پندرہ کے درمیان کوئی عدد نہیں ہے لہٰذا جزء منقسم ہوگیا اور اتصال جسم ثابت ہوگیا تو اب واضح ہوگیا کہ اجسام اجزاءلایتجزیٰ سے مرکب نہیں بلکہ جسم فی نفسہٖ متصل واحد جیساکہ دیکھنے میں نظر آتا ہے۔

دوسری تقریر اسی طرح یہ ہے کہ اگر جزءلایتجزیٰ مانا جائے تو ہم ایک زاویہ قائمہ فرض کرتے ہیں کہ جس کی ہر ضلع دو۔ دو جزء کی ہوں مثلاً، تو وتر یعنی سامنے والا خط تین جزء کا شکل حماری کی وجہ سے نہیں ہو سکتا کیونکہ شکل حماری کہتی ہے کہ دو ضلع ملکر تیسرے سے بڑے ہوتے ہیں اور دو جزء کا بھی نہیں ہو سکتا ہے۔ شکل عروسی کی وجہ سے کیونکہ شکل عروسی کہتی ہے کہ وتر کا مربع ضلعین کے مربعوں کے برابر ہوتا ہے۔ لہٰذا وتر دو جزء سے زائد اور تین جزء سے کم ہے تو اب جزء منقسم ہوگیا اور

اتصال جسم ثابت ہوگیا ۔

اسی کی مزید توضیح یہ ہے کہ چونکہ یہاں ضلعین کی مقدار تین جزء کی ہے کیونکہ ایک جزء دونوں میں مشترک ہے تو وتر بھی اگر تین ہی جزء کا ہو تو لازم آئے گا کہ وتر کی مقدار ضلعین کی مقدار سے کم نہ ہو اور یہ شکل حماری سے ثابت شدہ کے خلاف ہے ۔ لہٰذا ضروری ہے کہ تین جزء سے کم ہو (ورنہ ان کی شکل حماری بگڑ جائیگی) اور وتر دو جزء کا بھی نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ یہاں ضلعین کا مربع آٹھ ہے اور وتر کا مربع چار ہے اور جب وتر دو جزء کا ہوگا تو اس کا مربع ضلعین کے مربع سے کم ہو جائیگا ۔ لہٰذا ضروری ہے کہ وتر دو جزء سے زیادہ ہو (ورنہ انکی شکل عروسی بگڑ جائیگی) تو اب تین سے کم حماری کی وجہ سے اور دو سے زیادہ عروسی کی وجہ سے ہونا چاہئے اور دو تین کے مابین کوئی عدد نہیں لہٰذا جزء منقسم ہوگیا اور اتصال جسم ثابت ہوگیا ۔

یہ تو گفتگو تھی فلاسفہ کے نظریات کی جو جزء لایتجزیٰ کے سلسلے میں انھوں نے پیش کئے ہیں اور ابطال جزء پر جو دلائل دئے ہیں ان کا تذکرہ تھا ۔ متکلمین کے نزدیک جزء لایتجزیٰ باطل نہیں بلکہ ثابت ہے اس لئے ان حضرات نے فلاسفہ کی ان دلیلوں کا رد کیا ہے ۔ ہم ناظرین کے سامنے اسے بھی پیش کرتے ہیں پھر امام احمد رضا کی تحقیق کا خلاصہ پیش کریں گے ۔

جواب متکلمین

متکلمین حضرات نے فلاسفہ کی ان براہین ہندسیہ کا رد اس طور پر کیا ہے کہ " اشکال ہندسیہ ثبوت مقدار پر موقوف ہیں اور ثبوت مقدار اتصال پر موقوف ہے اور اتصال نفی جزء پر موقوف ہے لہٰذا براہین ہندسیہ سے نفی جزء پر استدلال دور اور مصادرہ علی المطلوب ہے یعنی اتحاد موقوف و موقوف علیہ و اتحاد دعویٰ و دلیل ہے ۔"

یہی جواب مقاصد و شرح مقاصد و حاشیہ شرح مقاصد وغیرہ کتب کلام میں مذکور ہے ۔

امام احمد رضا کا جواب اور محاکمہ

قارئین کرام! آپ نے فلاسفہ کے دلائل اور متکلمین حضرات کا جواب سماعیت فرمالیا لیکن امام احمد رضا کی علمی جولانگاہی اور حکمت و فلسفہ پر کمال عبور اور ان کی تحقیق انیق پر قربان جایئے آپ فرماتے ہیں۔

ہمارے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ نہ براہین ہندسیہ نفی جز پر مبنی نہ ان سے نفی جز ہو سکے۔ ان کی بنیاد خطوط موہومہ پر ہے اگرچہ واقع میں اجزاء سے ترکب ہو (الکلمۃ الملہمہ ص۱۲۵) دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

اور نفی جز ان سے یوں نہیں ہو سکتی کہ وہ وجود جز باطل نہیں کرتیں بلکہ اتصال، اور وہ (اتصال اجزاء) خود محال، تمہاری عروسی تمہاری حماری سب انہیں خطوط موہومہ میں ہیں نہ اجزاء متفرقہ میں کہ جزء کا انقسام ہو، مقادیر متصلہ ہی خط موہومہ ہیں نہ کہ وہ اجزاء متفرقہ (اجزاء لایتجزیٰ) الکلمۃ الملہمہ ص۱۲۶

یہاں پہونچ کر ہم اپنے قارئین پر یہ حقیقت واضح کردینا چاہتے ہیں کہ وہ شکل عروسی و حماری کہ جن پر فلاسفہ کو بڑا اعتماد و ناز تھا امام احمد رضا نے ان کے پرخچے اڑا دیے اور وضاحت کردی کہ فلاسفہ نے جن اشکال سے جزء کو باطل کیا ہے وہ ان کا دھوکہ ہے۔ ان اشکال سے جزء کا ابطلان کسی طرح نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ وجود نفس جزء کو باطل نہیں کرتی ہیں بلکہ اتصال اجزاء باطل کرتی ہیں اور اتصال اجزاء خود ہی باطل و محال ہے۔ جیسا کہ ماسبق میں گزر چکا ہے کہ جزء لایتجزیٰ میں شئی دون شئی ہوتی ہی نہیں یعنی جزء میں دو متمایز حصے ہوتے ہی نہیں کہ اتصال پایا جاسکے بلکہ نفی نفس جزء لایتجزیٰ و اتصال کے تصور سے خود ہی اتصال اجزاء کا استحالہ ظاہر و روشن ہے۔ لہٰذا عروسی و حماری کا اتصال اجزاء کو باطل کرنا ابطال باطل و تحصیل حاصل ہے۔

عروسی وحماری مقادیر متصلہ ہی کو باطل کرتی ہیں اور مقادیر متصلہ خطوط موہومہ ہیں اجزاء لایتجزیٰ نہیں ہیں۔ اجزاء لایتجزیٰ متصل ہو ہی نہیں سکتے۔

اور مقاصد و شرح مقاصد وغیرہ میں جو جوابات عروسی وحماری کے رد میں متکلمین حضرات نے بیان کیا کہ فلاسفہ کی براہین ہندسیہ کی بناء نفی جزء پر ہے اور انھیں سے نفی جزء پر استدلال کرنا دور اور مصادرہ علی المطلوب ہے۔ امام احمد رضا نے ان جواب کو بھی رد فرمادیا کہ ان اشکال ہندسیہ کی بناء نفی جزء پر نہیں ہے بلکہ ان کی بناء پر خطوط موہومہ ہے[1]۔

امام احمد رضا نے ہندسہ و ریاضی کے مسئلوں کو جس تحقیق سے پیش فرمادیا ہے ان کو دیکھنے کے بعد ہر منصف مزاج امام موصوف کا ریاضی و ہندسہ میں کمال اور دستگاہ کامل کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا ہے اور ان کی بارگاہ میں ضرور خراج عقیدت پیش کرتا ہوا نظر آئے گا! سچ ہے ع قلم اس کا ہے اور اس کی دوات

---

[1] بعض فلاسفہ نے جزء لایتجزیٰ کے ابطال میں ایک دلیل دی ہے اس دلیل کا بھی امام احمد رضا نے رد فرمایا ہے۔ ایک مقام پر اس کا الزامی جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں

خط ا، ب اپنے دونوں نقطۂ طرف او ب سے ملا ہے یا جدا، برتقدیر ثانی یہ نقطے اسکی طرف کب ہوئے کہ شی کی طرف شی سے جدا نہیں ہوتی۔ برتقدیر اول بالکل ملاقی یعنی نقطوں سے متداخل ہے تو خط کب ہوا کہ اس کو امتداد چاہئے اور اگر بالبعض ملاقی ہے تو نقطہ منقسم ہوگیا (الکلمۃ الملہمۃ ص۱۱)

مطلب یہ ہوا کہ اے فلسفیو تمہارے طور پر نقطے کا بھی انقسام ہو سکتا ہے حالانکہ تم سب نقطہ کو غیر منقسم مانتے ہو۔ فما جوابکم،

آگے چل کر امام احمد رضا نے تحقیقی جواب دیکر وہ علمی جواہر پارے بکھیرے ہیں اور فلاسفہ کی دلیل کے تار و پود اس طرح ادھیڑ کر رکھ دیا ہے کہ سندیلوی و جونپوری بھی اپنی جسارت پر ماتم کریں من شاء فلیطالع ۱۲

دوسرا مسئلہ

زمانہ کی قدامت اور ازلیت وابدیت

سارے فلاسفہ کا نظریہ یہ ہے کہ زمانہ قدیم ہے اور ازلی وابدی ہے مگر ان کا یہ عقیدہ ومسلک اسلام کے عقیدے کے بالکل خلاف ہے کیونکہ اسلامی عقیدے کے مطابق ذات باری تعالیٰ کے سوا ہر شی حادث و نو پید ہے۔

زمانہ کے قدیم ہونے پر فلاسفہ نے متعدد دلائل قائم کئے ہیں اور بزعم خویش ان کا یہ نظریہ بڑا ہی مستحکم ومضبوط انہیں دکھائی دے رہا ہے مگر امام احمد رضا نے متعدد دلائل عقلیہ ونقلیہ سے زمانہ کا حادث و نو پید ہونا ثابت کیا ہے۔ پھر فلاسفہ کے خرافات وبطالات کی طرف توجہ فرمائی ہے اور ان کی پیش کردہ دلیلوں میں سے ہر ایک کا رد وابطال کیا ہے۔ ہم قارئین کی خدمت میں امام موصوف کی حدوث زمانہ سے متعلق دلیلوں اور فلاسفہ کے رد وابطال میں بیان کردہ دلیلوں میں سے بعض کو ذیل میں نقل کر رہے ہیں۔

زمانہ کے قدیم ہونے پر فلاسفہ کی دلیل

فلاسفہ اپنے باطل نظریہ قدامت زمانہ کے ثبوت میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ زمانہ اگر حادث ہو تو اس کا وجود مسبوق بالعدم ہوگا اور شک نہیں کہ یہاں قبل وبعد کا اجتماع محال ہے لہٰذا یہ قبلیت قبلیت زمانی ہوئی تو زمانہ سے پہلے زمانہ لازم آیا۔ یونہی زمانہ کا عدم مسبوق بالوجود ہوگا تو زمانہ کے بعد زمانہ لازم آئے گا۔

تقریر آخر: زمانہ ازلی ابدی اور قدیم ہے اس لئے کہ اگر زمانہ کے لئے بدایت ونہایت ہو تو ضرور اس کا عدم وجود سے قبل ہوگا۔ یونہی اس کا عدم وجود کے بعد

ہوگا اور ہر قبلیت جو بعدیت کے ساتھ جمع نہ ہوسکے اور ہر وہ بعدیت جو قبلیت کے ساتھ جمع نہ ہوسکے وہ قبلیت وبعدیت زمانی ہوتی ہے ۔ لہٰذا زمانہ سے پہلے اور زمانہ کے بعد زمانہ لازم آئے گا تو زمانہ کے عدم کا فرض کرنا زمانہ کے وجود کے فرض کو مستلزم ہے اسی لئے معلم اول ارسطا طالیس نے کہا ہے "من قال بحدوث الزمان فقد قال بقدمہ من حیث لایشعر بہ" یعنی جو زمانہ کو حادث کہے وہ زمانہ کو قدیم کہہ رہا ہے لیکن یہ اسے معلوم نہیں ہے ، قدم زمانہ کی یہی دلیل فلسفہ کی تمام کتابوں میں مذکور ہے ۔

حضرات متکلمین نے اس کے متعدد جواب دئے ہیں لیکن امام احمد رضا کے نزدیک وہ سارے جوابات سقیم وضعیف ہیں جیسا کہ "الکلمۃ الملہمہ" کے حواشی پر ان جوابات کے ضعف کو ظاہر فرمایا ۔ ساتھ ہی حقیقت زمانہ پر بھی بہت شرح وبسط سے کلام فرمایا اور اصول فلاسفہ کے مطابق متعدد طریقے سے وجود زمانہ کے جو دلائل فلاسفہ نے دئے تھے امام احمد رضا نے ایک ایک کا رد وابطال فرمایا اور دلائل قاہرہ سے ثابت کردیا کہ اصول فلسفیہ کے مطابق نہ زمانہ کا وجود خارجی ہے اور نہ خارج میں زمانہ کے لئے کوئی منشاء انتزاع ہے نہ زمانہ حرکت فلکیہ کی مقدار ہے اور نہ اور کسی حرکت کی مقدار ہے ،

قدم زمانہ کے رد میں اور حدوث زمانہ کے ثبوت میں متکلمین نے پانچ دلیلیں دی ہیں ۔ امام احمد رضا نے مزید اور پانچ دلائل وجواب بیان کئے ہیں ہم ان میں سے دو کا ذکر کرتے ہیں ۔

زمانہ کے حدوث پر پہلی دلیل

امام موصوف رقمطراز ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب زمانہ حادث ہوگا، اس کے لئے ظرف اول ہوگی نہیں مگر آن، اور زمانہ کی امتداد اس کے بعد ہوگا تو اس آنِ سابق میں زمانہ نہیں، لاجرم اس کا عدم ہے تو عدم زمانہ اس کے وجود پر سابق ہے اور زمانہ میں نہیں بلکہ آن میں ہے۔ (الکلمۃ الملھمۃ ص۲۱)

دوسری دلیل

حق یہ ہے کہ عدم موجود نہیں تو نہ اس کے لئے کوئی ظرف ہے، نہ وہ تقدم سے موصوف ہو سکے کہ یہاں تقدم و تاخر من حیث التحقیق میں کلام ہے۔ عمرو سے پہلے زید تھا اس کے یہ معنی کہ وجود عمرو سے وجود زید سابق تھا، یوں ہی وجود سے پہلے عدم ہونے کا یہی مفہوم کہ عدم کا وجود اس سے مقدم تھا، حالانکہ عدم ہرگز موجود نہیں ورنہ اعدام معلل ہوں کہ ان کا وجود نہ ہوگا مگر ممکن ورنہ حوادث محال یا واجب ہو جائیں گے اور ہر ممکن محتاج علت، حالانکہ عدم معلل نہیں، نیز اگر اعدام موجود ہوں تو امور غیر متناہیہ مرتبہ موجود بالفعل لازم آئیں، مثلاً (مذہب فلاسفہ پر) عقول دس ہیں، دس سے زیادہ گیارہ بارہ الیٰ غیر النہایہ سب معدوم ہیں تو تمام اعدام مرتبہ نامتناہیہ موجود بالفعل ہیں اور یہ محال ہے تو یہ کہنا کہ حادث کا وجود مسبوق بالعدم ہے یا اعدام ازلی ہیں، محض ظاہری بات ہے حادث وہ جس کا وجود ازل میں نہ تھا نہ وہ جس کا عدم ازل میں تھا کہ عدم "تھا اور ہے" کی صلاحیت نہیں رکھتا اور ازل کوئی زمانہ نہیں، فلاسفہ بھی مانتے ہیں کہ مفارقات (عقول عشرہ) ازلی ہیں اور زمانی نہیں (الکلمۃ

زمانہ کے حدوث پر پہلی دلیل

امام موصوف رقمطراز ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب زمانہ حادث ہوگا، اس کے لئے ظرف اول ہوگی نہیں مگر آن، اور زمانہ کی امتداد اس کے بعد ہوگا تو اس آنِ سابق میں زمانہ نہیں، لاجرم اس کا عدم ہے تو عدم زمانہ اس کے وجود پر سابق ہے اور زمانہ میں نہیں بلکہ آن میں ہے۔ (الکلمۃ الملھمۃ ص ۱۴)

دوسری دلیل

حق یہ ہے کہ عدم موجود نہیں تو نہ اس کے لئے کوئی ظرف ہے، نہ وہ تقدم سے موصوف ہو سکے کہ یہاں تقدم وتاخر من حیث التحقیق میں کلام ہے۔ عمر سے پہلے زید تھا اس کے یہ معنی کہ وجود عمرو سے وجود زید سابق تھا۔ یوں ہی وجود سے پہلے عدم ہونے کا یہی مفہوم کہ عدم کا وجود اس سے مقدم تھا، حالانکہ عدم ہرگز موجود نہیں ورنہ اعدام معلّل ہوں کہ ان کا وجود نہ ہوگا مگر ممکن ورنہ حوادث محال یا واجب ہو جائیں گے اور ہر ممکن محتاج علت، حالانکہ عدم معلل نہیں، نیز اگر اعدام موجود ہوں تو امور غیر متناہیہ مرتبہ موجود بالفعل لازم آئیں، مثلاً (مذہب فلاسفہ پر) عقول دس ہیں، دس سے زیادہ گیارہ بارہ الیٰ غیر النہایہ سب معدوم ہیں تو تمام اعدام مرتبہ نامتناہیہ موجود بالفعل ہیں اور یہ محال ہے تو یہ کہنا کہ حادث کا وجود مسبوق بالعدم ہے یا اعدام ازلی ہیں، محض ظاہری بات ہے حادث وہ جس کا وجود ازل میں نہ تھا نہ وہ جس کا عدم ازل میں تھا کہ عدم "تھا اور ہے" کی صلاحیت نہیں رکھتا اور ازل کوئی زمانہ نہیں، فلاسفہ بھی مانتے ہیں کہ مفارقات (عقول عشرہ) ازلی ہیں اور زمانی نہیں (الکلمۃ

کہاکہ اگر زمانہ حادث ہو تو وہ مسبوق بالعدم ہوگا یعنی اس کے وجود
سے قبل اس کا عدم ہوگا اور قبل وبعد کا اجتماع محال ہے تو یہ قبلیت
قبلیت زمانی ہوئی، لہٰذا زمانہ سے پہلے زمانہ لازم آیا۔ (الکلمۃ
الملھمۃ ص۱۰۲) یعنی فلاسفہ نے ازلیت وقدم زمانہ کی دلیل میں جو یہ
کہا کہ اگر زمانہ حادث ہوگا تو اس کا وجود مسبوق بالعدم ہوگا۔ صرف
تعبیرات ہیں، اعدام کوئی وجودی شئی نہیں ہیں ورنہ اجتماع نقیضین ہوجائے بلکہ
وہ لاشئی محض ہیں، قبل وبعد سے اعدام متصف نہیں ہوتے تو فلاسفہ
کا یہ کہنا کہ زمانہ حادث ہوگا تو اس کا وجود مسبوق بالعدم ہوگا۔ صرف
ظاہری بات ہے۔ (الکلمۃ الملھمۃ ص۱۰۲) کیونکہ حادث اسے کہتے ہیں
جو ازل میں نہ ہو، نہ یہ کہ جس کا عدم ازل میں ہو۔ اعدام نہ تو موجود ہیں
اور نہ ان میں تمایز و امتیاز ہوتا ہے، تعین و امتیاز کے لئے وجود ضروری
ہے حالانکہ اعدام موجود نہیں ورنہ تسلسل لازم آئے گا، تو معلوم ہوا
کہ عدم مطلق یعنی خالص عدم کے لئے کسی طرح کا بھی وجود نہیں اِلاّ فی
التعبیر، اعدام میں تمیز و امتیاز، ملکات و اضافات کے اعتبار سے
ہوتا ہے، مثلاً عدم زید، عدم بکر کا غیر ہے یا عدم زید عدم بکر کا "تھا" "تھا"
اور "ہے" سے اتصاف اضافت کے لحاظ سے ہے ورنہ عدم، نہ موجود
و متمیز ہوتا ہے نہ مقدم و مؤخر ہوتا ہے اور نہ قبل و بعد سے متصف ہوتا
ہے یہ صرف تعبیرات ہیں، اور انھیں تعبیرات پر فلاسفہ کی قدم زمانی دلیل
بھی فاسد ہے کیونکہ مبنی علی الفاسد فاسد ہوتا ہے۔
امام موصوف نے دلائل قاہرہ سے ثابت و واضح فرمادیا کہ
زمانہ حادث ہے، قدم زمانہ کی ساری دلیلیں باطل و مردود ہیں۔

کہاکہ اگر زمانہ حادث ہو تو وہ مسبوق بالعدم ہوگا یعنی اس کے وجود
الملھمۃ ص۱۰۲) یعنی فلاسفہ نے ازلیت و قدم زمانہ کی دلیل میں جو یہ
سے قبل اس کا عدم ہوگا اور قبل و بعد کا اجتماع محال ہے تو یہ قبلیت
قبلیت زمانی ہوئی، لہٰذا زمانہ سے پہلے زمانہ لازم آیا۔ یہ صرف تعبیرات
ہیں، اعدام کوئی وجودی شئ نہیں ہیں ورنہ اجتماع نقیض ہو جائے بلکہ
وہ لاشئ محض ہیں، قبل و بعد سے اعدام متصف نہیں ہوتے تو فلاسفہ
کا یہ کہنا کہ زمانہ حادث ہوگا تو اس کا وجود مسبوق بالعدم ہوگا۔ صرف
ظاہری بات ہے۔ (الکلمۃ الملھمۃ ص۱۰۲) کیونکہ حادث اسے کہتے ہیں
جو ازل میں نہ ہو، نہ یہ کہ جس کا عدم ازل میں ہو، اعدام نہ تو موجود ہیں
اور نہ ان میں تمایز و امتیاز ہوتا ہے، تعین و امتیاز کے لئے وجود ضروری
ہے حالانکہ اعدام موجود نہیں ورنہ تسلسل لازم آئے گا، تو معلوم ہوا
کہ عدم مطلق یعنی خالص عدم کے لئے کسی طرح کا بھی وجود نہیں اِلاَّ فِی
التعبیر، اعدام میں تمیز و امتیاز، ملکات و اضافات کے اعتبار سے
ہوتا ہے، مثلاً عدم زید، عدم بکر کا غیر ہے یا عدم زید عدم بکر کا "تھا" "تھا"
اور "ہے" سے اتصاف اضافت کے لحاظ سے ہے ورنہ عدم، نہ موجود
و متمیز ہوتا ہے نہ مقدم و موخر ہوتا ہے اور نہ قبل و بعد سے متصف ہوتا
ہے یہ صرف تعبیرات ہیں، اور انھیں تعبیرات پر فلاسفہ کی قدم زمانی دلیل
بھی فاسد ہے کیونکہ مبنی علی الفاسد فاسد ہوتا ہے۔
امام موصوف نے دلائل قاہرہ سے ثابت و واضح فرمادیا کہ
زمانہ حادث ہے، قدم زمانہ کی ساری دلیلیں باطل و مردود ہیں۔

تیسرا مسئلہ

ترجیح بلا مرجح باطل ہے

سارے فلاسفہ اس بات کے مدعی ہیں کہ ترجیح بلا مرجح باطل ہے

فاعل دو متساویوں میں اپنی طرف سے ترجیح نہیں کر سکتا۔ کیونکہ فاعل کی نسبت دونوں طرف برابر ہے۔ لہٰذا اگر ترجیح دے تو ترجیح بلا مرجح لازم آئے گا اور یہ محال ہے۔

صاحب شمس بازغہ ملا محمود جونپوری، شمس بازغہ کی فصل حیز میں لکھتا ہے" وجود الجسم بدون فاعل وان کان غیر ممکن، لکن نسبۃ الفاعل الی جمیع الاحیاز علی السواء، فلا یمکن تعین الحیز عنہ مالم یکن الطبیعۃ الجسم خصوصیۃ معہ" یعنی فاعل کے بغیر اگرچہ جسم کا وجود ممکن ہے لیکن فاعل کی نسبت تمام حیزوں کی جانب برابر ہے۔ لہٰذا فاعل سے حیز کا تعین نہیں ہو سکتی، جب تک اس چیز سے طبیعت جسم کو کوئی خصوصیت نہ ہو، نعوذ باللہ من ذلک

ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں کیسا صاف صراحتاً بک رہا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ جل شانہٗ جسم کو کسی خاص چیز میں نہیں پیدا کر سکتا۔

امام موصوف کے نزدیک فلاسفہ کا قاعدہ مذکورہ د ضابطہ مسلمہ مطلقاً درست نہیں، موصوف گرامی کی تحقیقات بدایہ ملاحظہ فرمائیں

مصدر اگر صرافت مصدریت پر ہو یا مبنی للفاعل، تو ہرگز محال نہیں، بداہۃً واقع ہے۔ ہاں مبنی للمفعول ہو تو محال، کہ وہی ترجیح بلا مرجح ہے، عقل انسانی میں بھی آدمی اپنے ارادے کو دیکھ رہا ہے کہ دو متساویوں

میں بے کسی مرجح کے آپ ہی تخصیص کر لیتا ہے۔ دو جام یکساں ایک صورت ایک نظافت کے دونوں میں ایک سا پانی بھرا ہوا ہو، اس سے ایک قرب پر رکھے ہوں یہ پینا چاہے۔ ان میں سے جسے جی چاہے اٹھالے گا۔ ایک مطلوب تک دو راستے بالکل برابر و یکساں ہوں جسے چاہے چلے گا، ایک سے دو کپڑے ہوں جسے چاہے پہنے گا، پھر اس فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ کے ارادے کا کیا کہنا وہ فاعل مختار ہے، اس کا فعل نہ کسی مرجح کا دست نگر، نہ کسی استعداد کا پابند، يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ ۝ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ۝ لہ الخیرۃ ۝ (الکلمۃ الملہمۃ ص)

موصوف گرامی علیہ الرحمہ نے متفلسفہ کے اس مشہور ضابطے پر وہ ایرادات و معارضات قائم فرمائے ہیں کہ منصف مزاج فلسفی پر آفتاب سے زیادہ روشن ہو جائے کہ فلاسفہ متقدمین و متاخرین امام احمد رضا کے سامنے حکمت و منطق میں بچے ہیں۔ وہ صرف اصطلاح کے موجد و مخترع ہیں ورنہ صحیح معنوں میں ان سے کام لینا نہیں جانتے تھے۔

چوتھا مسئلہ

سفہائے فلاسفہ کا مشہور

ذات واحد ایک ہی شی کو پیدا کر سکتی ہے

و مسلم اصول و ضابطہ ہے "الواحد لا یصدر عنہ الا الواحد" یعنی واحد سے واحد ہی صادر ہو سکتا ہے۔ دو یا چند کا صدور نہیں ہو سکتا یہ ایسا قضیۂ فاسدہ مخترعہ ہے کہ جس کی وجہ سے فلاسفہ ہزارہا کفر و شرک میں مبتلا ہوئے کہ جو واحد محض ہو اور اسمیں تعدد جہات بھی نہ ہو اس سے ایک ہی شی صادر ہو سکتی ہے۔ کسی بھی دوسری شی کا صدور

محال ہے اور واجب تعالیٰ ایسا ہی واحد ہے لہٰذا اس نے صرف عقل اول کو بنایا اور باقی کچھ نہیں نعوذ باللہ من ذلک" فلاسفہ دس عقلوں کے قائل ہیں اور آسمان ۹ مانتے ہیں اور ان کا مزعوم فاسد یہ ہے کہ واجب تعالیٰ نے صرف عقل اول کو بنایا پھر معاذاللہ معطل ہو گیا۔ عقل اول نے عقل ثانی اور فلک تاسع بنایا اور ثانی نے عقل ثالث اور فلک ثامن بنائے، عقل ثالث نے عقل رابع اور فلک سابع بنائے، عقل رابع نے عقل خامس و فلک سادس بنایا اور عقل خامس نے عقل سادس و فلک خامس بنائے، اور عقل سادس نے عقل سابع و فلک رابع بنایا، عقل سابع نے عقل ثامن و فلک ثالث بنائے، عقل ثامن نے عقل تاسع و فلک ثانی بنائے، اور عقل تاسع نے عقل عاشر و فلک اول، فلک قمر بنائے، پھر عقل عاشر نے ساری دنیا گڑھ ڈالی اور یوں ہی ہمیشہ گڑھتی رہے گی۔ اسی لئے فلاسفہ اس کو عقل فعال کہتے ہیں۔ فلاسفہ اپنے اس باطل ادعا پر اسی قضیۂ باطلہ و مزخرفہ کو پیش کرتے ہیں۔ ہمارے متکلمین حضرات اس ادعا باطلہ و قضیۂ مخترعہ کے رد و ابطال کے درپے ہوئے۔ بہت سے اعتراضات و مناقضات فرمائے اور ان کے اس قضیۂ واہیہ کے پرخچے اڑا دئے۔ لیکن امام احمد رضا کے رد و ابطال کا طریقہ ہی کچھ نرالا ہے اور اس قضیۂ باطلہ کے بطلان کو ایسے جدید و نادر طریقے سے ثابت فرمایا ہے کہ آج تک کسی نے بھی ایسا کلام نہیں کیا۔

موصوف گرامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس دعویٰ و دلیل کو ہاتھ لگانے کی اصلاً حاجت نہ تھی، وہ ہمیں نہ کچھ مضر تھا

نہ ان مشرکین کو اصلاً کچھ نافع ، قہار واحد کے بارے میں ان کا دعویٰ اور اس پر ان کی دلیل ہے ۔ مولیٰ عزوجل اپنی خالقیت میں اس سے منزہ ہے تو اس دعویٰ سے نہ خالقیت دیگر اشیاء اس سے مسلوب ہو سکتی ہے ، نہ کسی دوسرے کے لئے ہرگز ثابت ، قریب تر راہ وہ ہے کہ انھیں کی جوتی انھیں کا سر ہو۔ (الکلمۃ الملھمۃ ص۲۲)

پانچواں مسئلہ

عقول سے کثرت کا صدور

فلاسفہ عقل اول اور دیگر عقول کو بھی واحد ہی مانتے ہیں لیکن ان سے کثرت کے صدور کے قائل ہیں ۔ جب ان فلاسفہ سے پوچھا گیا کہ عقل اول و دیگر عقول بھی تو واحد ہی ہیں تو عقل اول سے عقل ثانی اور فلک تاسع کیسے صادر ہو گئے ۔ یوں ہی اور دیگر عقول سے بھی کیسے دو صادر ہوئے تو ان فلاسفہ نے جواب دیا کہ عقل اول میں دو جہتیں ہیں اور یوں ہی دیگر عقول میں بھی دو جہتیں ہیں ، ایک امکان بالذات ہے اور دوسری جہت وجوب بالغیر ہے۔

بعض فلاسفہ نے اور بھی جہتیں نکالی ہیں "وجود فی نفسہٖ اپنے آپ کو جاننا ، اپنے غیر کو جاننا وغیرہ" نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰالِکَ

کتنا صریح ظلم ہے اور کتنی صریح حماقت و جہالت ، منطق فلسفہ سے ہے کہ ممکن اپنے وجود میں خود غیر کا محتاج ہوتا ہے ۔ دوسرے کو وجود کیا دے سکتا ہے ؟ امکان جہت افتقار فی الوجود ہے نہ کہ جہت افادہ وجود ہے ممکن من حیث الامکان محتاج غیر ہے نہ کہ غیر کا محتاج الیہ ، یہ ہے فلاسفہ کی جہالت بینہ فاحشہ جو منطق و حکمت کے جاننے والوں پر ظاہر و روشن ہے ۔ موصوف گرامی امام احمد رضا فرماتے ہیں کہ " اس پر ہماری طرف سے کھلا اعتراض ہے کہ سفیہو! ایسے جہات

نہ ان مشرکین کو اصلاً کچھ نافع ، قہار واحد کے بارے میں ان کا دعویٰ اور اس پر ان کی دلیل ہے ۔ مولیٰ عزوجل اپنی خالقیت میں اس سے منزہ ہے تو اس دعویٰ سے نہ خالقیت دیگر اشیاء اس سے مسلوب ہو سکتی ہے ، نہ کسی دوسرے کے لئے ہرگز ثابت ، قریب تر راہ وہ ہے کہ انھیں کی جوتی انھیں کا سر ہو۔ (الکلمۃ الملہمۃ ص۲۲)

پانچواں مسئلہ

عقول سے کثرت کا صدور

فلاسفہ عقل اول اور دیگر عقول کو بھی واحد ہی مانتے ہیں لیکن ان سے کثرت کے صدور کے قائل ہیں ۔ جب ان فلاسفہ سے پوچھا گیا کہ عقل اول و دیگر عقول بھی تو واحد ہی ہیں تو عقل اول سے عقل ثانی اور فلک تاسع کیسے صادر ہو گئے ۔ یوں ہی اور دیگر عقول سے بھی کیسے دو صادر ہوئے تو ان فلاسفہ نے جواب دیا کہ عقل اول میں دو جہتیں ہیں اور یوں ہی دیگر عقولیں بھی دو جہتیں ہیں ، ایک امکان بالذات ہے اور دوسری جہت وجوب بالغیر ہے ۔

بعض فلاسفہ نے اور بھی جہتیں نکالی ہیں " وجود فی نفسہٖ اپنے آپ کو جاننا ، اپنے غیر کو جاننا وغیرہ " نعوذ باللہ من ذالک ۔

کتنا صریح ظلم ہے اور کتنی صریح حماقت و جہالت ، منطق فلسفہ سے ہے کہ ممکن اپنے وجود میں خود غیر کا محتاج ہوتا ہے ۔ دوسرے کو وجود کیا دے سکتا ہے ؛ امکان جہت افتقار فی الوجود ہے نہ کہ جہت افادہ وجود ہے ممکن من حیث الامکان محتاج غیر ہے نہ کہ غیر کا محتاج الیہ ، یہ ہے فلاسفہ کی جہالت بینہ فاحشہ جو منطق و حکمت کے جاننے والوں پر ظاہر و روشن ہے ۔ موصوف گرامی امام احمد رضا فرماتے ہیں کہ " اس پر ہماری طرف سے کھلا اعتراض ہے کہ سفیہو ! ایسے جہات

کیا مبدا اول (مولیٰ تعالیٰ جل شانہٗ) میں نہیں ؟ اس کا وجود ہے وجوب اپنی ذات کریم کو جانتا ہے، اپنے غیر کو جانتا ہے بے شمار سلب ہیں کہ نہ جوہر ہے نہ عرض نہ مرکب متجزی نہ جسم نہ جسمانی نہ مکانی نہ زمانی نہ یہ نہ وہ الیٰ آخرہٖ خبیثا کا صریح ظلم کہ عقل اول میں جہات لیکر اسے موجد متعدد اشیاء جانیں اور یہاں محال جانیں۔ یہ حاصل ہے۔ اس سہل و صاف راستے کا جو ہماری طرف سے چلا گیا۔ (الکلمۃ الملھمۃ ص۲۴)

حضرت موصوف گرامی نے نہایت محققانہ کلام فرماتے ہوئے تمس و امس کیطرح روشن کر دیا ہے کہ فلاسفہ منطق و فلسفہ نہیں جانتے تھے اور فلسفہ اگر انھیں خرافات بدیہیہ کا نام ہے تو فلسفہ و جنون میں کیا فرق ہے ؟ اور اسی سلسلہ میں ایسا منطقیانہ کلام فرمایا ہے کہ آج تک اپنے مناطقہ و متکلمین حضرات نے ایسا کلام نہیں کیا، بلکہ فقیر کا خیال ہے کہ ان کی نظر وہاں تک پہونچ نہیں سکی کہ جو ظاہر کرتے۔ یعنی فلاسفہ کا قضیۂ مخترعہ "الواحد لا یصدر عنہ الا الواحد" باطل و فرض محال ہے۔ موصوف! ارشاد فرماتے ہیں کہ "فلاسفہ کا دعویٰ" الواحد لا یصدر عنہ الا الواحد" خود ہی فرض محال و تناقض و جنون ہے" (الکلمۃ الملھمۃ ص۲۳)

اس قضیۂ باطلہ اور فلاسفہ کے مزعومات فاسدہ پر ایرادات قاہرہ قائم فرماتے ہوئے موصوف گرامی ارشاد فرماتے ہیں تمہارے قضیہ نامرضیہ "الواحد لا یصدر عنہ الا الواحد" خود ہی تمہارے طور پر باطل و متناقض ہے۔

کلام "موثر من حیث ھو موثر" یعنی موجد و مفیض وجود میں ہے اور ایجاد وجود خارجی سے مشروط، جو خود موجد نہیں محال ہے

کیا مبدا اول (مولیٰ تعالیٰ جل شانہٗ) میں نہیں ؛ اس کا وجود ہے وجوب اپنی ذات کریم کو جانتا ہے، اپنے غیر کو جانتا ہے بے شمار سلب ہیں کہ نہ جوہر ہے نہ عرض نہ مرکب متجزی نہ جسم نہ جسمانی نہ مکانی نہ زمانی نہ یہ نہ وہ الیٰ آخرہٖ خبیثا کا صریح ظلم کہ عقل اول میں جہات لیکر اسے موجد متعدد اشیاء جانیں اور یہاں محال جانیں۔ یہ حاصل ہے۔ اس سہل و صاف راستے کا جو ہماری طرف سے چلا گیا۔ (الکلمۃ الملہمۃ ص۲۲)

حضرت موصوف گرامی نے نہایت محققانہ کلام فرماتے ہوئے شمس و امس کیطرح روشن کر دیا ہے کہ فلاسفہ منطق و فلسفہ نہیں جانتے تھے اور فلسفہ اگر انھیں خرافات بدیہیہ کا نام ہے تو فلسفہ و جنون میں کیا فرق ہے ؟ اور اسی سلسلہ میں ایسا منطقیانہ کلام فرمایا ہے کہ آج تک اپنے مناطقہ و متکلمین حضرات نے ایسا کلام نہیں کیا، بلکہ فقیر کا خیال ہے کہ ان کی نظر وہاں تک پہونچ نہیں سکی کہ جو ظاہر کرتے۔ یعنی فلاسفہ کا قضیۂ مخترعہ "الواحد لا یصدر عنہ الا الواحد" باطل و فرض محال ہے۔ موصوف ارشاد فرماتے ہیں کہ "فلاسفہ کا دعویٰ" الواحد لا یصدر عنہ الا الواحد" خود ہی فرض محال و تناقض و جنون ہے" (الکلمۃ الملہمۃ ص۲۳)

اس قضیۂ باطلہ اور فلاسفہ کے مزعومات فاسدہ پر ایرادات قاہرہ قائم فرماتے ہوئے موصوف گرامی ارشاد فرماتے ہیں تمہارے قضیہ نامرضیہ "الواحد لا یصدر عنہ الا الواحد" خود ہی تمہارے طور پر باطل و متناقض ہے۔

کلام "موثر من حیث ھو موثر" یعنی موجد و مفیض وجود میں ہے اور ایجاد وجود خارجی سے مشروط، جو خود موجد نہیں محال ہے

کہ دوسرے پر افاضۂ وجود کرے اس کا فاعل و موجد بنے، نیز وہ خصوصیت درکار جس کا نام مصدریت رکھا ہے تو ذات و تقرر وجود و تعیین اور وہ خصوصیت سب کے قطعاً اس میں ملحوظ ہیں کہ بے ان کے موجد ہونا محال تو موثر من حیث ھو موثر کا واحد محض ہونا محال، اور تم نے اسے ایسا ہی فرض کیا کہ وصفِ عنوانی کے حکم ضمنی میں نقیضین کو جمع کرلیا یعنی وہ واحد محض کہ ہرگز واحد محض نہیں اس سے ایک ہی شی صادر ہوگی، ایسا جامع نقیضین خود ہی محال ہے، نہ کہ اسے کسی شی کے صدور و عدم صدور کی بحث، نہ کہ اس سے صدور واحد کی تجویز تو استثنار کا حکم صریح بھی باطل، تو ایسا واحد اگر ہوگا بھی تو نہ ہوگا مگر ظرف خلط و تعریہ میں کہ خارج میں موثر من حیث ھو موثر کا شرائط ایجاد سے انفکاک بداہۃً محال، تو تمھارے دعویٰ کا حاصل یہ ہوا کہ اس موجود ذہنی سے ایک ہی صادر ہوگا یہ اولاً مبحث سے بیگانہ، ثانیاً خود جنون کہ موجود ذہنی ایک شئ کا بھی موجد نہیں ہوسکتا تو "الا الواحد" کہنا حماقت خصوصاً حضرت عزت عزتہ کہ ذہن میں آنے سے متعالی ہے ذہن میں نہ ہوگی مگر کوئی وجہ بعید، وہ کیا صالح ایجاد ہے، تو حاصل یہ ہوا کہ جس سے ایجاد متفی ہو وہ الٰہ نہیں اور جو الٰہ ہے اس سے نفی ایجاد کثیر کی راہ نہیں، پھر عقول کو فاعل و خالق ماننا کیا صریح جنون ہے کہ وہ اسی ضرورتِ باطلہ کے لئے اوڑھا گیا تھا جس کا بطلان آفتاب سے زیادہ روشن ہو گیا، طرفہ یہ کہ انھیں مان لو بھی ان کی خالقیت نہیں بنتی جس کے روشن بیان سن چکے۔ تو مجنون ہو کر بھی نجات نہ ملی و ذالک جزاء الظالمین۔

(الکلمۃ الملھمۃ ص۲۶-۲۷)

کہ دوسرے پر افاضۂ وجود کرے اس کا فاعل و موجد بنے، نیز وہ خصوصیت درکار جس کا نام مصدریت رکھا ہے تو ذات و تقرر وجود و تعیین اور وہ خصوصیت سب کے قطعاً اس میں ملحوظ ہیں کہ بے ان کے موجد ہونا محال تو موثر من حیث ھو موثر کا واحد محض ہونا محال، اور تم نے اسے ایسا ہی فرض کیا کہ وصفِ عنوانی کے حکم ضمنی میں نقیضین کو جمع کر لیا یعنی وہ واحد محض کہ ہرگز واحد محض نہیں اس سے ایک ہی شئی صادر ہوگی، ایسا جامع نقیضین خود ہی محال ہے، نہ کہ اس سے کسی شئی کے صدور و عدم صدور کی بحث، نہ کہ اس سے صدور واحد کی تجویز تو استثناء کا حکم صریح بھی باطل، تو ایسا واحد اگر ہوگا بھی تو نہ ہوگا مگر ظرف خلط و تعریہ میں کہ خارج میں موثر من حیث ھو موثر کا شرائط ایجاد سے انفکاک بداہۃً محال، تو تمہارے دعویٰ کا حاصل یہ ہوا کہ اس موجود ذہنی سے ایک ہی صادر ہوگا یہ اولاً مبحث سے بیگانہ، ثانیاً خود جنون کہ موجود ذہنی ایک شئ کا بھی موجد نہیں ہو سکتا تو "الا الواحد" کہنا حماقت خصوصاً حضرت عزت عزتہ کہ ذہن میں آنے سے متعالی ہے ذہن میں نہ ہوگی مگر کوئی وجہ بعید، وہ کیا صالح ایجاد ہے، تو حاصل یہ ہوا کہ جس سے ایجاد متفی ہو وہ الٰہ نہیں اور جو الٰہ ہے اس سے نفی ایجاد کثیر کی راہ نہیں، پھر عقول کو فاعل و خالق ماننا کیا صریح جنون ہے کہ وہ اسی ضرورت باطلہ کے لئے اوڑھا گیا تھا جس کا بطلان آفتاب سے زیادہ روشن ہو گیا، طرفہ یہ کہ انھیں مان کر بھی ان کی خالقیت نہیں بنتی جس کے روشن بیان سن چکے۔ تو مجنون ہو کر بھی نجات نہ ملی و ذالک جزاء الظالمین

(الکلمۃ الملہمۃ ص۲۶-۲۷)

باب سوم

فلسفۂ جدیدہ (سائنس)

کا

تنقیدی جائزہ

پہلا مسئلہ

نظریہ حرکت زمین

باب سوم

فلسفۂ جدیدہ (سائنس)

کا

تنقیدی جائزہ

پہلا مسئلہ

نظریہ حرکت زمین

حرکت زمین

امام احمد رضا نے جس طرح فلسفۂ قدیمہ کے مزخرفات اور مخالف شرع نظریات کی بیخ کنی فرمائی ہے اور دلائل و براہین سے اسلامی نظریات کو ثابت فرمایا ہے۔ اسی طرح جدید فلسفہ اور سائنس کے غلط نظریات کا بھی قلع قمع کیا ہے اور انہیں کی دلیلوں سے انکا ابطال فرمایا ہے چنانچہ اسی سلسلے میں آپ کی مشہور زمانہ تصنیف " فوز مبین در رد حرکت زمین " مغربی افکار و نظریات کے دلدادہ لوگوں کے لئے کھلا چیلنج کی حیثیت رکھتی ہے اس کتاب میں آپ نے حرکت زمین کے بطلان پر ایک سو پانچ دلائل قاہرہ قائم فرمائے اور امس و شمس کی مانند واضح کردیا کہ حرکت زمین کے تعلق سے سائنس دانوں کے دلائل پادر ہوا سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے ہیں۔

اس دور میں حرکت زمین کا مسئلہ موجودہ تحقیق کی رو سے اتنا عام ہوگیا ہے کہ اس کے خلاف کوئی سننا گوارہ نہیں کرتا ہے۔ ابتدائی طالب علم سے لیکر یونیورسٹی کے پروفیسران اور یورپ کے بڑے بڑے ماہرین سائنس تک سبھی اس ادعار باطل کے مدعی اور اسی رنگ میں رنگے نظر آرہے ہیں۔ ان تمام لوگوں کو دعوت عام ہے کہ امام احمد رضا کی تصنیف مذکور اور " معین مبین بہر دور شمس و سکون زمین "۔ بنظر انصاف مطالعہ کریں تو ان پر حقیقت حال کھل جائیگی۔ ساتھ ہی امام موصوف کا تبحر علمی بھی معلوم ہو جائے گا۔

حرکت زمین

امام احمد رضا نے جس طرح فلسفۂ قدیمہ کے مزخرفات اور مخالف شرع نظریات کی بیخ کنی فرمائی ہے اور دلائل و براہین سے اسلامی نظریات کو ثابت فرمایا ہے۔ اسی طرح جدید فلسفہ اور سائنس کے غلط نظریات کا بھی قلع قمع کیا ہے اور انھیں کی دلیلوں سے انکا ابطال فرمایا ہے چنانچہ اسی سلسلے میں آپ کی مشہور زمانہ تصنیف "فوز مبین در رد حرکت زمین" مغربی افکار و نظریات کے دلدادہ لوگوں کے لئے کھلا چیلنج کی حیثیت رکھتی ہے اس کتاب میں آپ نے حرکت زمین کے بطلان پر ایک سو پانچ دلائل قاہرہ قائم فرمائے اور امس و شمس کی مانند واضح کر دیا کہ حرکت زمین کے تعلق سے سائنس دانوں کے دلائل پادر ہوا سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے ہیں۔

اس دور میں حرکت زمین کا مسئلہ موجودہ تحقیق کی رو سے اتنا عام ہوگیا ہے کہ اس کے خلاف کوئی سننا گوارہ نہیں کرتا ہے۔ ابتدائی طالب علم سے لیکر یونیورسٹی کے پروفیسران اور یورپ کے بڑے بڑے ماہرین سائنس تک سبھی اس ادعار باطل کے مدعی اور اسی رنگ میں رنگے نظر آرہے ہیں۔ ان تمام لوگوں کو دعوت عام ہے کہ امام احمد رضا کی تصنیف مذکور اور "معین مبین بہر دور شمس و سکون زمین" بنظر انصاف مطالعہ کریں تو ان پر حقیقت حال کھل جائیگی۔ ساتھ ہی امام موصوف کا تبحر علمی بھی معلوم ہو جائے گا۔

زمین کی حرکت و سکون کے متعلق بدلتے نظریات

تاریخ کی ورق گردانی سے یہ سراغ ملتا ہے کہ حرکت زمین کا نظریہ سب سے پہلے فیثاغورث نے پیش کیا اس کے بعد بطلیموس مشہور سائنسداں نے حرکت آسمان کا نظریہ پیش کیا اور کہا کہ زمین اپنی جگہ ساکن ہے مگر آسمان متحرک ہے۔ بہت زمانے تک سائنس دانوں کا یہی خیال رہا اور فیثاغورث کا نظریہ حرکت زمین زیر زمین دفن ہوگیا مگر ۱۵۳۰ء میں اس گڑے مردے کو کوپرنیکس نے نکالا اور لوگوں میں گردش زمین کے نظریہ کو عام کیا چنانچہ آج یہ نظریہ ایک راسخ عقیدہ کے طور پر مغربی افکار واذہان میں گھر کئے ہوئے ہے جب کہ یہ سارے نظریات اسلامی نظریات کے خلاف ہیں یہی وجہ ہے کہ امام احمد رضا نے اسلامی نظریہ کی تائید وتوثیق میں عقلی دلائل پیش فرما کر جدید فکر ونظر رکھنے والوں کے سامنے یہ واضح فرما دیا کہ حق وہی ہے جو اسلام کہتا ہے۔

حرکت زمین کی وضاحت

سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ زمین اپنے محور پر مغرب سے مشرق کی جانب گھومتی ہے۔ یہ گردش ۲۳ گھنٹہ ۵۶ منٹ میں مکمل ہوتی ہے اس گردش کے باعث دن اور رات ہوتے ہیں اور ہوا اور پانی کی لہروں کی سمت میں تبدیلی ہوتی ہے۔

زمین کی حرکت و سکون کے متعلق بدلتے نظریات

تاریخ کی ورق گردانی سے یہ سراغ ملتا ہے کہ حرکت زمین کا نظریہ سب سے پہلے فیساغورث نے پیش کیا اس کے بعد بطلیموس مشہور سائنسداں نے حرکت آسمان کا نظریہ پیش کیا اور کہا کہ زمین اپنی جگہ ساکن ہے مگر آسمان متحرک ہے۔ بہت زمانے تک سائنس دانوں کا یہی خیال رہا اور فیساغورث کا نظریہ حرکت زمین زیر زمین دفن ہوگیا مگر ۱۵۳۰ء میں اس گڑے مردے کو پرنیکس نے نکالا اور لوگوں میں گردش زمین کے نظریہ کو عام کیا چنانچہ آج یہ نظریہ ایک راسخ عقیدہ کے طور پر مغربی افکار و اذہان میں گھر کئے ہوئے ہے جب کہ یہ سارے نظریات اسلامی نظریات کے خلاف ہیں یہی وجہ ہے کہ امام احمد رضا نے اسلامی نظریہ کی تائید و توثیق میں عقلی دلائل پیش فرما کر جدید فکر و نظر رکھنے والوں کے سامنے یہ واضح فرما دیا کہ حق وہی ہے جو اسلام کہتا ہے۔

حرکت زمین کی وضاحت

سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ زمین اپنے محور پر مغرب سے مشرق کیجانب گھومتی ہے۔ یہ گردش ۲۳ گھنٹہ ۵۶ منٹ میں مکمل ہوتی ہے اس گردش کے باعث دن اور رات ہوتے ہیں اور ہوا اور پانی کی لہروں کی سمت میں تبدیلی ہوتی ہے۔

امام احمد رضا کے پیش کردہ دلائل

امام احمد رضا نے مذکورہ نظریہ کی تردید میں ایکسو پانچ دلائل پیش فرمائے ہیں ہم ان دلائل میں سے جو سہل اور آسان ہیں ان کو نقل کرتے ہیں آپ فرماتے ہیں۔

دلیل اوّل (۴۸)

اقول۔ زمین کی حرکت یومیہ یعنی اپنے محور پر گھومنے کا سبب ہر جزء کا طالب نور وحرارت ہوتا ہے یا جذب شمس سے نافریت (نمبر ۳۳) بہر حال تقاضائے طبع ہے اور اس کے لئے متعدد راستے تھے اگر زمین مشرق سے مغرب کو جاتی جب بھی دونوں مطالب بعینہٖ ایسے ہی حاصل تھے جیسے مغرب سے مشرق کو جانے میں پھر ایک کی تخصیص کیوں ہوئی یہ ترجیح بلا مرجح ہے۔

جو قوت غیر شاعرہ سے ناممکن ہلٰذا زمین کی حرکت باطل یعنی زمین ہو یا اور کوئی سیارہ ہر سیارے کا اپنے محور پر گھومنے کا سبب یہ ہوتا ہے کہ ہر چیز بالطبع آفتاب سے نور وحرارت لینا چاہتی ہے۔ جیسا کہ فلسفہ طبعیات میں ثابت ہو چکا ہے (اقوال ...) لہٰذا اگر سیارے حرکت وضعیہ (محور پر گھومنا) نہ کریں تو جمیع اجزاء کو نور وحرارت نہ پہونچے۔ تو اب اگر زمین حرکت کرتی تو اس کے حرکت کی وجہ یہی ہوگی یا تو وہ طالب نور وحرارت ہے یا جذب آفتاب سے منافر ہے اور یہ دونوں باتیں زمین کے مقتضاء طبع ہے جو اور اس کے لئے اور بھی صورتیں ہو سکتی تھیں۔ اس کے اور بھی

امام احمد رضا کے پیش کردہ دلائل

امام احمد رضا نے مذکورہ نظریہ کی تردید میں ایکسو پانچ دلائل پیش فرمائے ہیں ہم ان دلائل میں سے جو سہل اور آسان ہیں ان کو نقل کرتے ہیں آپ فرماتے ہیں۔

دلیل اوّل (۴۸)

اقول۔ زمین کی حرکت یومیہ یعنی اپنے محور پر گھومنے کا سبب ہر جزء کا طالب نور و حرارت ہوتا ہے یا جذب شمس سے نافریت (نمبر ۳۲) بہر حال تقاضائے طبع ہے اور اس کے لئے متعدد راستے تھے اگر زمین مشرق سے مغرب کو جاتی جب بھی دونوں مطالب بعینہ ایسے ہی حاصل تھے جیسے مغرب سے مشرق کو جانے میں پھر ایک کی تخصیص کیوں ہوئی یہ ترجیح بلا مرجح ہے۔

جو قوت غیر شاعرہ سے ناممکن لہٰذا زمین کی حرکت باطل یعنی زمین ہو یا اور کوئی سیارہ ہر سیارے کا اپنے محور پر گھومنے کا سبب یہ ہوتا ہے کہ ہر چیز بالطبع آفتاب سے نور و حرارت لینا چاہتی ہے۔ جیسا کہ فلسفہ طبعیات میں ثابت ہو چکا ہے (دقول ؟؟) لہٰذا اگر سیارے حرکت وضعیہ (محور پر گھومنا) نہ کریں تو جمیع اجزاء کو نور و حرارت نہ پہونچے۔ تو اب اگر زمین حرکت کرتی تو اس کے حرکت کی وجہ یہی ہوگی یا تو وہ طالب نور و حرارت ہے یا جذب آفتاب سے منافر ہے اور یہ دونوں باتیں زمین کے مقتضاء طبع ہے جو اور اس کے لئے اور بھی صورتیں ہو سکتی تھیں۔ اس کے اور بھی

راستے تھے مثلاً زمین بجائے مشرق کو جانے کے مغرب کو بھی اگر
چلتی اور حرکت کرتی جب بھی دونوں باتیں جو اس کے لئے اس
کے مقتضاء طبع سے تھیں وہ دونوں مطلب و مقصد زمین کے لئے
حاصل تھے تو پھر اس تخصیص کی علت اور اس کا سبب کیا ہے
کہ وہ زمین مشرق کو حرکت کرتی ہے مغرب کو حرکت کیوں نہیں
کرتی اور جب اس کی وجہ ترجیح کچھ نہیں تو اس کی وجہ ترجیح کیا
ہے؟ یہ ترجیح بلا مرجح ہے اور ترجیح بلا مرجح باطل و مردود ہے
اور جب حرکت زمین باطل ہے تو سکون زمین ثابت و حاصل
ہے فالحمد للہ

دلیل دوم (۸۱) اقول ۔ وہ کرہ موجود جس کا مرکز تحت حقیقی
ہے فلک ہے یا شمس یا ارض یا اور کوئی سیارہ
یا ثابتہ یا قمر ۔ اول تو ہیئت جدیدہ مان نہیں سکتی کہ وہ وجود
افلاک ہی کے قائل ہی نہیں ۔ دوم ضرور اس کا مدعا ہے کہ شمس
کو ساکن فی الوسط مانتی ہے ۔ ضرور کہ اہل ہیئت جدیدہ جب دوپہر
کو زمین پر سیدھے کھڑے ہوں تو سر نیچے ہوں اور ٹانگیں اوپر
اس لئے کہ سر تحت حقیقی سے قریب ہے اور پاؤں دور ۔ جب زمین
کی حرکت مستدیر قریب غروب اس حالت پر لائے کہ سر اور پاؤں
کا فصل مرکز شمس سے برابر رہ جائے تو اب نہ سر اوپر نہ پاؤں ۔ ہاں
آدھی رات کو آدمیت پر آئیں کہ سر اوپر ہو جائے کہ تحت سے بعید
ہے اور پاؤں نیچے کے قریب ہیں ۔ جب بعد طلوع پھر وہی حالت
تساوی ہو ۔ سر اور پاؤں دوبارہ برابر ہو جائیں ۔ جب دوپہر ہو پھر

سر نیچے اور ٹانگیں اوپر ہو جائیں۔ ہمیشہ بے جنبش کئے یوں ہی
قلابازیاں کھائیں۔ یہی حال ہر روز صحن و سقف کا ہو کہ کبھی صحن
اوپر اور چھت نیچے کبھی بالعکس۔

یہی حال زمین میں قائم درختوں کا کہ آدھی رات کو جڑ
نیچے ہے اور شاخیں اوپر۔ دوپہر ہوتے ہی پیڑ تو بدستور رہے مگر
شاخیں نیچے ہو گئیں اور جڑ اوپر۔ دوپہر کے وقت جو بخار یا دھواں
اٹھے کہو کہ نیچے گرا، جو پتھر گرے کہو کہ اوپر اڑا، یوں ہی بے شمار
استحالے ہیں (اور) دیگر سیارہ و اقمار و ثوابت کا بھی یہی حال
ہے کہ ان میں جس کسی کا بھی مرکز لو گے ایسے ہی استحالے ہوں گے
لاجرم مرکز زمین وہ مرکز ساکن ہے اور زمین کی حرکت اینیہ باطل
ہے۔

فائدہ:۔ عناصر اربعہ و بسائط میں سب سے زیادہ خفیف و لطیف
آگ ہے پھر اس کے بعد ہوا ہے پھر اس کے بعد پانی ہے اور سب سے
زیادہ ثقیل و کثیف زمین و مٹی ہے جو جتنا خفیف ہے وہ اتنا ہی
اوپر ہے اسی لئے سب سے زیادہ اوپر آگ ہے اور سب سے زیادہ ثقیل
زمین ہے اور زمین ہی مرکز عالم ہے اسی کے گرد سیارے چاند، سورج
وغیرہ حرکت کرتے ہیں اور ارشاد ربانی كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ شاہد
عدل ہے لہٰذا حق یہی ہے کہ زمین و آسمان دونوں ساکت و ساکن ہیں۔

دلیل سوم (۸۸) اقول۔ پانی زمین سے بھی کہیں لطیف تر
تو اس کے اجزاء میں تلاطم و اضطراب اشد
اور سمندر میں ہر وقت طوفان رہتا۔ یعنی زمین اگر حرکت کرتی ہوتی

توزمین سے بہت زیادہ لطیف پانی ہے توزمین کے اجزار کے حرکت کے سبب پانی کے اجزار میں تلاطم و موجیں اتھل پتھل اور طوفان عظیم سمندروں میں ہر وقت برپا ہوتا رہتا، اور جب ایسا کچھ نہیں جیساکہ دنیا کے سارے انسانوں کا مشاہدہ سائنس جدیدو میقات جدیدہ والوں کا بھی مشاہدہ ہے تو یقیناً حرکت زمین باطل و مردود ہے اور سکون زمین ثابت ہے۔

دلیل چہارم (۸۹) اقول۔ پھر ہوا کی لطافت کا کیا کہنا۔ واجب تھا کہ آٹھ پہر غرب سے شرق تک تحت سے فوق تک ہوا کی ٹکریاں باہم ٹکرائیں ایک دوسرے سے پتا نیچے کھائیں اور ہر وقت سخت آندھی لائیں۔ لیکن ایسا نہیں تو بلا شبہہ زمین کی حرکت محوری باطل اور اس کا ثبوت و سکون ثابت و محکم۔

فللہ الحمد و صلی اللہ علی سیدنا محمد و آلہ و صحبہ وسلم۔ آمین۔

یعنی جو حال پانی کے اجزار کا ہوتا اس سے بدتر حال ہوا کا ہونا چاہئے کیوں کہ ہوا تو پانی سے بھی زیادہ لطیف ہے توزمین اگر حرکت کرتی ہوتی تو اس کی ٹکریاں آپس میں ٹکراتی رہیں اور ہمیشہ آندھی و طوفان آتا رہتا تو زندگی دشوار گذار ہو جاتی اور جب ایسا کچھ نہیں تو قطعاً زمین ساکت و ساکن ہے اور گردش زمین باطل و مردود ہے۔

دلیل پنجم (۹۱) درخت کی ایک شاخ سے دو پرند مساوی پرواز کے مساوی مدت تک مثلاً ایک گھنٹہ اڑے۔ ایک مغرب اور دوسرا مشرق کو اگر ان کی پرواز رفتار زمین کے مساوی ہے گھنٹے میں ایک ہزار چھتیس میل تو غربی اس شاخ سے دو ہزار بہتر

میل پر پہونچا کہ جتنا وہ مغرب کو چلا اسی قدر یہ شاخ زمین کے ساتھ مشرق کو گئی اور مشرقی بال پھر بھی شاخ سے جدا نہ ہوا کہ جتنا اڑتا ہے زمین بھی اتنی ہی رفتار سے شاخ کو اس کے ساتھ ساتھ لا رہی ہے حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ مساوی پرواز والے مساوی فصل پاتے ہیں۔

یعنی حرکت زمین بدیہی البطلان واضح البیان استحالہ کو مستلزم ہے اور جو کسی محال کو مستلزم ہو وہ خود محال ہوا کرتی ہے اور شک نہیں کہ حرکت زمین بعینہٖ استحالہ کو مستلزم ہے لہذا حرکت زمین خود باطل و محال ہے اور یہ اس صورت میں ہے کہ پرندگی حرکت اور زمین کی حرکت دونوں مساوی و برابر ہوں اور اگر حرکت پرند و حرکت زمین میں تساوی نہ ہو بلکہ دونوں میں تفاوت ہو اور کمی بیشی کا فرق ہو یوں کہ حرکت پرند حرکت زمین سے زیادہ ہو اور حرکت زمین کم ہو یا حرکت پرند حرکت زمین سے کم ہو اور حرکت زمین حرکت پرند سے زیادہ ہو ان دونوں تقدیروں پر اور دو دلیل مستقل ۹۲، ۹۳ کا اضافہ فرمایا اور زبردست استحالے ثابت فرمائے ہر ایک سے یہ ثابت کر دکھایا کہ حرکت زمین محض باطل و عاطل ہے۔ اِن شئتَ فلترجع الیہا ہم نے اختصار کے پیش نظر جو نہایت آسان دلیلیں تھیں انھیں کو ذکر کیا تا کہ خواص و عوام سبھی بسہولت فائدہ اٹھا سکیں۔

دوسرا مسئلہ

جاذبیت و نافریت

جدید سائنس کا نظریہ ہے کہ ہر جسم میں دوسرے کو اپنی طرف کھینچنے کی ایک طبعی قوت ہے جسے قوت جاذبہ یا جاذبیت کہتے ہیں اور یوں ہی ہر جسم میں بالطبع دوسرے کے جذب سے بھاگنے کی قوت ہے اس قوت کا نام نافرہ، ہاربہ، دافعہ اور اسی کو نافریت کہتے ہیں انھیں دونوں قوتوں پر گردش زمین مبنی ہے۔ امام احمد رضا قدس سرہ نے ان دونوں قوتوں کو انھیں ہیأت و سائنس کے اصولوں پر بوجوہ کثیرہ باطل فرمایا ہے۔ نظریہ جاذبیت نیوٹن کا اختراع کردہ ہے۔ وہ ۱۶۶۵ء میں وبا سے بچنے کے لئے بھاگ کر کسی گاؤں میں گیا اور باغ میں اس نے قیام کیا۔ اتفاقیہ درخت سے ایک سیب ٹوٹ کر زمین پر گرا اسی کو دیکھ کر اس نے جاذبیت کا نظریہ قائم کیا کہ زمین کی کشش و جذب کی وجہ سے یہ سیب زمین پر ٹوٹ کر گرا ہے۔ اگر زمین میں کشش نہ ہوتی تو سیب ٹوٹ کر زمین پر نہ گرتا۔ نیوٹن کا یہ نظریہ اور خیال ایسا بچکانہ اور مضحکہ خیز ہے کہ ہر ذی عقل و خرد پر روشن ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ نیوٹن نے اس سے پہلے کوئی چیز زمین پر گرتے ہوئے دیکھا ہی نہیں تھا۔ کیوں کہ اس پکے ہوئے سیب کے زمین پر گرنے اور جذب زمین میں کیا علاقہ ہے۔ اگر جذب زمین ہی کی وجہ سے زمین پر سیب گرا تھا تو اس کی کشش کا حال اور اس کی نسبت تو سارے پھلوں

یکجانب یکساں اور برابر ہے تو وہی سیب کیوں گرا۔ سارے سیب کیوں نہیں گرے؟ وجہ ترجیح کیا ہے یہ ترجیح بلا مرجح ہے جو باطل ہے لہٰذا جذب زمین وکشش زمین باطل ہے اور پھر اسی وقت کیوں گرا؟ اس کے پہلے یا بعد میں کیوں نہیں گرا؟ یہ بھی ترجیح بلا مرجح ہے جو باطل و عاطل ہے۔

امام احمد رضا قدس سرہٗ نیوٹن کے اس بچکانہ خیال و نظریہ کا استہزا فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ "سیب گرتے اور جاذبیت کا آسیب جاگنے میں علاقہ بھی ایسا لزوم کا تھا کہ وہ گرا اور یہ اچھلا کیوں کہ اس کے سوا اس کا کوئی سبب اور ہو سکتا ہی نہ تھا۔ اس کی پوری بحث تو فصل دوم میں آتی ہے۔ سنہ ۱۶۶۵ء تک ہزاروں برس کے عقلاء سب اس فہم سے محروم گئے تو گئے تعجب یہ کہ اس سیب سے پہلے نیوٹن نے بھی کوئی چیز زمین پر گرتے نہ دیکھی یا جب تک کوئی اور سبب خیال میں تھا جسے اس سیب نے گر کر توڑ دیا اور نافریت کا رد فرماتے ہوئے

امام احمد رضا فرماتے ہیں اقول۔ جاذبہ تو سیب کے گرتے سے پہچانی یہ کاہے سے جانی شاید سیب گرنے میں نیچے دیکھا تو زمین تھی اس کا جذب خیال میں آیا اوپر دیکھا تو سیب شاخ سے بھاگتا پایا یوں نافرہ کا ذہن لڑایا حالانکہ نیچے لانے کو ان میں ایک کافی ہے دو کس لئے۔ مطلب یہ ہے کہ سیب کو زمین پر لانے کے لئے قوت جاذبہ یا جاذبیت زمین ہی جس کے تم مدعی ہو وہی ایک قوت ہے پھر نافرہ یا نافریت کی کیا حاجت وضرورت ہے

کرائے بلا ضرورت و حاجت بغیر کسی دلیل کے خواہ مخواہ تسلیم کیا جائے۔

دلیل دوم کا خلاصہ یہ ہے کہ بفرض باطل سیب گرنے سے زمین میں جاذبیت سمجھی گئی حالانکہ یہ سمجھنا غلط و باطل ہے لیکن آفتاب میں جاذبیت کیسے۔ نیوٹن اور اس کے نظریہ کے حاملین نے سمجھ لیا جس کے سبب یہ کہا جا رہا ہے کہ زمین آفتاب کے گرد کشش آفتاب سے گردش کر رہی ہے کسی شاہد حاضر پر غائب کا قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ قیاس کے لئے مقیس مقیس علیہ میں علت جامعہ مشترکہ چاہئے اور یہاں نہیں ہے تو آفتاب کا زمین پر قیاس کرنا غلط و باطل ہے اور اگر ان ہیأت جدیدہ اور سائنسی نظریات رکھنے والوں کے اصول کے مطابق یہ ہے کہ جو کچھ زمین کے لئے ثابت ہوگا وہ آسمان کے لئے بھی ضروری ہے اس پر امام احمد رضا فلسفہ کا منہ توڑ معارضہ ہے کہ اگر یہی بات ہے کہ جو حکم زمین پر لگے وہی آفتاب پر بھی نافذ ہو تو دیکھو زمین بے نور ہے آفتاب سے منور ہوتی ہے تو آفتاب بھی بے نور ہوگا اب اس کے منور ہونے کے لئے ایک تیسری شئی کی ضرورت ہوگی۔ اس تیسری شئی میں بھی یہی قیاس جاری ہوگا تو ایک چوتھی شئی کی ضرورت ہوگی یوں ہی یہ سلسلہ اگر غیر متناہی تک چلا جاتا ہے تو یہ تسلسل ہوا اور اگر وہ سلسلہ پلٹتا ہے تو دور ہے اور دور و تسلسل دونوں باطل ہیں اور جو شئی باطل کو مستلزم ہو وہ خود باطل ہوا کرتی ہے لہٰذا جاذبیت ارض اور جاذبیت شمس باطل ہے۔ اور جب جاذبیت اور جاذبیت شمس

باطل ہے تو گردش زمین باطل، وہ باطل ہے اور جب گردش زمین
باطل ہے تو سکون زمین ثابت وہی اصل ہے فللہ الحمد۔

جاذبیت کے رد دوم میں امام احمد رضا فرماتے ہیں جاذبیت
کے لئے نافریت لازم مانتے ہو کہ وہ ہو اور یہ نہ ہو تو سب مل کر ایک
ہو جائے اور ہم نافریت باطل کر چکے تو جاذبیت خود ہی باطل ہوئی
کہ بطلان لازم بطلان ملزوم ہے انتہی۔ جاذبیت کا چوتھا رد جسے
امام احمد رضا قدس سرہ نے تینتیسواں رد فرمایا ہے وہ فرماتے ہیں
اقول۔ گلاس میں تیل ہو اور پانی ڈالو تیل کیوں اوپر آتا ہے جذب
کا اثر تو دونوں پر یکساں ہے اگر دھار کے صدمہ سے ایسا ہوتا ہے
تو پانی پر تیل ڈالنے سے پانی کیوں نہیں اوپر ہو جاتا انتہی

جاذبیت کا پانچواں رد جسے امام وقت نے چھتیسواں
رد فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں اقول۔ پہاڑ گرے تو وہ سنگ زمین
کو توڑے گا اس کے اندر گھس جائیگا۔ یہ پہاڑ کی ذاتی طاقت
ہے کہ اس میں (بقول تمہارے) میل نہیں نہ اپنا وزن (بقول
تمہارے) کہ وزن تو جذب سے ہوا۔ جذب کا اثر جیسا اس پر تھا
ہی تم پر۔ تم اوپر سے گر کر زمین میں کیوں نہیں گھس جاتے۔ اگر کہیے
اس کا سبب صدمہ ہے کہ پہاڑ سے زیادہ پہنچتا ہے۔

اقول۔ صدمہ کو دو چیزیں درکار، شدت ثقل اور قوت
رفتار، اثر جذب کی مساوات دونوں کو اس میں برابر کر چکی
کہ معرفت پھر تفاوت کیا معنی۔ بالجملہ جذب اس استحالے میں ہیں
تحقیقات جدیدہ اور انکے شبہات ہیچ ہیں ولا حول ولا قوۃ الا باللہ

باطل ہے تو گردش زمین باطل، وباطل ہے اور جب گردش زمین
باطل ہے تو سکون زمین ثابت وہی اصل ہے فللّٰہ الحمد۔

جاذبیت کے رد دوم میں امام احمد رضا فرماتے ہیں جاذبیت
کے لئے نافریت لازم مانتے ہو کہ وہ ہو اور یہ نہ ہو تو [illegible]
ہو جائے اور ہم نافریت باطل کرچکے تو جاذبیت خود ہی باطل ہوئی
کہ بطلان لازم بطلان ملزوم ہے انتہی۔ جاذبیت کا چوتھا رد جسے
امام احمد رضا قدس سرہ نے تینتیسواں رد فرمایا ہے وہ فرماتے ہیں
اقول۔ گلاس میں تیل ہو اور پانی ڈالو تیل کیوں اوپر آتا ہے جذب
کا اثر تو دونوں پر یکساں ہے اگر دھار کے صدمہ سے ایسا ہوتا ہے
تو پانی پر تیل ڈالنے سے پانی کیوں نہیں اوپر ہو جاتا انتہی

جاذبیت کا پانچواں رد جسے امام وقت نے چھتیسواں
رد فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں اقول۔ پہاڑ گرے تو وہ ٹھک زمین
کو توڑے گا اس کے اندر گھس جائے گا۔ یہ پہاڑ کی ذاتی طاقت
ہے کہ اس میں (بقول تمہارے) میل نہیں نہ اپنا وزن (بقول
تمہارے) کہ وزن تو جذب سے ہوا۔ جذب کا اثر جیسا اس پر ویسا
ہی تم پر۔ تم اوپر سے گر کر زمین میں کیوں نہیں گھس جاتے۔ اگر کہے
اس کا سبب صدمہ ہے کہ پہاڑ سے زیادہ پہنچتا ہے۔

اقول۔ صدمہ کو دو چیزیں درکار، شدت ثقل اور قوت
رفتار، اثر جذب کی مساوات دونوں کو اس میں برابر کرچکی
کہ ضعف قوت پھر تفاوت کیا معنی۔ بالجملہ جز ہدوں استحالے ہیں جن کی
تحقیقات جدیدہ اور ان کے شبہات ختم ہیں ولا حول ولا قوۃ الا باللہ

العلی العظیم ۔

چھٹا رد جسے امام علم و فن نے چوتیسواں رد فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں۔ اقول۔ کنکری ڈوبتی ہے لکڑی تیرتی ہے یہ کس لئے اثر تو یکساں ہے انتہی ۔ تیسری دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ ہیات جدیدہ والوں کے نزدیک جاذبیت کے لئے ایک ضروری اور لازمی شئی نافریت ہے اور جب نافریت دلیل سے باطل ہو چکی تو جاذبیت بھی باطل ہو گئی کیوں کہ لازم کے باطل ہو جانے سے ملزوم خود ہی باطل ہو جاتا ہے۔

چوتھی و پانچویں و چھٹی دلیلوں کا خلاصہ یہ ہے کہ اثر جذب جب ایک سا اور یکساں ہے تو تیل پانی کے اوپر کیوں آجاتا ہے پانی تیل کے اوپر کیوں نہیں آتا یا کیوں نہیں پانی تیل کے اوپر رہتا۔ یوں ہی پہاڑ اگر زمین پر گرتا ہے تو زمین میں دھنس جاتا ہے آدمی گرتا ہے تو زمین میں کیوں نہیں دھنستا حالانکہ اثر جذب یکساں ہے۔ یوں ہی کنکری پانی کے اندر زمین تک نیچے جاتی ہے اور لکڑی پانی کے اوپر تیرتی رہتی ہے بالآخر یہ تفاوت کیوں ہے جب کہ اثر جذب و کشش یکساں ہے۔

علم ہیات کی کتاب "حدائق النجوم" میں نافریت پر ایک دلیل مذکور ہے وہ یہ ہے کہ برابر سطح پر کوئی گولی پھینکیں تو وہ بالطبع خط مستقیم پر جاتی ہے۔ گولی کا خط مستقیم پر جانا یہ نافریت اور قوت نافرہ ہے۔ امام احمد رضا قدس سرہٗ اس کے رد میں فرما

العلی العظیم۔

چھٹا رد جسے امام علم و فن نے چوتیسواں رد فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں۔ اقول۔ کنکری ڈوبتی ہے لکڑی تیرتی ہے یہ کس لئے اثر تو یکساں ہے انتہی۔ تیسری دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ ہیأت جدیدہ والوں کے نزدیک جاذبیت کے لئے ایک ضروری اور لازمی شئی نافریت ہے اور جب نافریت دلیل سے باطل ہو چکی تو جاذبیت بھی باطل ہو گئی کیوں کہ لازم کے باطل ہو جانے سے ملزوم خود ہی باطل ہو جاتا ہے۔

چوتھی و پانچویں و چھٹی دلیلوں کا خلاصہ یہ ہے کہ اثر جذب جب ایک سا اور یکساں ہے تو تیل پانی کے اوپر کیوں آ جاتا ہے پانی تیل کے اوپر کیوں نہیں آتا یا کیوں نہیں پانی تیل کے اوپر رہتا۔ یوں ہی پہاڑ اگر زمین پر گرتا ہے تو زمین میں دھنس جاتا ہے آدمی گرتا ہے تو زمین میں کیوں نہیں دھنستا حالانکہ اثر جذب یکساں ہے۔ یوں ہی کنکری پانی کے اندر زمین تک نیچے جاتی ہے اور لکڑی پانی کے اوپر تیرتی رہتی ہے بالآخر یہ تفاوت کیوں ہے جب کہ اثر جذب و کشش یکساں ہے۔

علم ہیأت کی کتاب "حدائق النجوم" میں نافریت پر ایک دلیل مذکور ہے وہ یہ ہے کہ برابر سطح پر کوئی گولی پھینکیں تو وہ بالطبع خط مستقیم پر جاتی ہے۔ گولی کا خط مستقیم پر جانا یہ نافریت اور قوت نافرہ ہے۔ امام احمد رضا قدس سرہٗ اس کے رد میں فرما

ہیں اقول پھینکیں میں اس کا جواب ہے آہستہ رکھدیں کہ جنبش نہ ہو تو بال بھر نہ سرکے گی ہاں سطح پوری بیول پر نہ ہو تو ڈھال کی طرف ڈھلکے گی انتہی بمطلب یہ ہے کہ تمھارے گولی کے پھینکنے سے اور اس کے خط مستقیم پر حرکت کرنے سے تم نے نافریت سمجھ لیا اور اگر نافریت ہوتی تو آہستہ رکھنے سے بھی حرکت کرنا چاہئے اور آہستہ رکھنے سے گولی کا حرکت نہ کرنا یہ نافریت کا نافی ہے اور پھینکنے سے جو حرکت گولی میں دیکھ رہے ہو وہ پھینکنے والے کی قوت دافع کا اثر ہے نہ کہ نافرہ کا اثر ہے۔

اصول علم الہیأت میں نافریت پر یہ دلیل مذکور ہے کہ جب جسم کسی دائرے پر حرکت کرے اس میں مرکز سے نفرت ہوتی ہے پتھر رسی میں باندھ کر اپنے گرد گھماؤ وہ چھوٹنا چاہے گا اور جتنے زور سے گھماؤ گے۔ زیادہ زور کرے گا اگر چھوٹ گیا تو سیدھا چلا جائیگا اور جس قدر قوت سے گھمایا تھا اتنی دور جا کر گرے گا۔ یہ مرکز سے پتھر کی نافریت ہے۔ اس دلیل نافریت کا امام احمد رضا قدس سرہٗ نے ایسا محققانہ رد اور اس کا ابطال ازہاق فرمایا ہے اور خداداد صلاحیتوں سے ان قوتوں کی کہ۔ جو کسی جسم پر باعتبار حرکت قاسرہ اثر ڈالتی ہیں بہت سی ایسی قسمیں استخراج فرمائی ہیں کہ وہ انھیں کا حصہ ہے۔ دلیل مذکور کا رد فرماتے ہوئے امام علم الہیأت والفلسفہ رقمطراز ہیں۔ اقول نافریت بے دلیل اور پتھر کی تمثیل نری علیل، پتھر کو انسان یا مرکز سے نفرت نہ رغبت، جانب خلاف جو اس کا زور دیکھتے ہو تمھاری نہ کا اثر ہے نہ کہ پتھر کی نفرت، تحقیق مقام کے لئے ہم ان قوتوں

ہیں اقول پھینکیں میں اس کا جواب ہے آہستہ رکھدیں کہ جنبش نہ ہو تو بال بھر نہ سرکے گی ہاں سطح پوری یبول پر نہ ہو تو ڈھال کی طرف ڈھلکے گی انتہی بمطلب یہ ہے کہ تمھارے گولی کے پھینکنے سے اور اس کے خط مستقیم پر حرکت کرنے سے تم نے نافریت سمجھ لیا اور اگر نافریت ہوتی تو آہستہ رکھنے سے بھی حرکت کرنا چاہئے اور آہستہ رکھنے سے گولی کا حرکت نہ کرنا یہ نافریت کا نافی ہے اور پھینکنے سے جو حرکت گولی میں دیکھ رہے ہو وہ پھینکنے والے کی قوت دافع کا اثر ہے نہ کہ نافرہ کا اثر ہے۔

اصول علم الہیأت میں نافریت پر یہ دلیل مذکور ہے کہ جب جسم کسی دائرے پر حرکت کرے اس میں مرکز سے نفرت ہوتی ہے پتھر رسی میں باندھ کر اپنے گرد گھماؤ وہ چھوٹنا چاہے گا اور جتنے زور سے گھماؤ گے۔ زیادہ زور کرے گا اگر چھٹ گیا تو سیدھا چلا جائیگا اور جس قدر قوت سے گھمایا تھا اتنی دور جا کر گرے گا۔ یہ مرکز سے پتھر کی نافریت ہے۔ اس دلیل نافریت کا امام احمد رضا قدس سرہٗ نے ایسا محققانہ رد اور اس کا ابطال ازہاق فرمایا ہے اللہ خداداد صلاحیتوں سے ان قوتوں کی کہ۔ جو کسی جسم پر بااعتبار حرکت قاسرہ اثر ڈالتی ہیں بہت سی ایسی قسمیں استخراج فرمائی ہیں کہ وہ انھیں کا حصہ ہے۔ دلیل مذکور کا رد فرماتے ہوئے امام علم الہیأت والفلسفہ رقمطراز ہیں۔ اقول نافریت بے دلیل اور پتھر کی تمثیل نری علیل، پتھر کو انسان یا مرکز سے نفرت نہ رغبت، جانب خلاف جو اس کا زور دیکھتے ہو تمھاری نہ کا اثر ہے نہ کہ پتھر کی نفرت، تحقیق مقام کے لئے ہم ان قوتوں

کی قسمیں استخراج کریں جو باعتبار حرکت قاسرہ کسی جسم پر اثر ڈالتی ہیں۔ اقول۔ وہ تقسیم اول میں دو ہیں۔ محرکہ کہ حرکت پیدا کرے اور حاصرہ کہ حرکت کو بڑھنے نہ دے مثلاً ڈھلکتے ہوئے پتھر کو ہاتھ سے روک لو پھر محرکہ دو قسم ہے جاذبہ، دافعہ اس کے بعد ہر ایک کی چھ، چھ قسمیں مثالوں سے واضح فرمایا ہے اس طور پر کل ۱۲ قسمیں اور شقیں نکالی ہیں اور پتھر کی مثال سے جو نافریت پر استدلال کیا گیا ہے وہ غلط و باطل ہے۔ مسئلہ مذکورہ میں صرف چار قوتیں کام کر رہی ہیں۔ حاصرہ اور تین دافعہ یعنی منہیہ، دافعہ، نافلہ۔ یہ ایسے مباحث جلیلہ ہیں جو دیگر کتب ان مباحث سے خالی ہیں نافریت و جاذبیت کے رد و ابطال میں سیکڑوں دلائل پیش فرمائے ہیں اہل نظر و فکر "فوز مبین و معین مبین" کا مطالعہ کریں۔

کی قسمیں استخراج کریں جو باعتبار حرکت قاسرہ کسی جسم پر اثر ڈالتی ہیں۔ اقول۔ وہ تقسیم اول میں دو ہیں۔ محرکہ کہ حرکت پیدا کرے اور حاصرہ کہ حرکت کو بڑھنے نہ دے مثلاً ڈھلکتے ہوئے پتھر کو ہاتھ سے روک لو پھر محرکہ دو قسم ہے جاذبہ، دافعہ اس کے بعد ہر ایک کی چھ، چھ قسمیں مثالوں سے واضح فرمایا ہے اس طور پر کل ۱۲ قسمیں اور شقیں نکالی ہیں اور پتھر کی مثال سے جو نافریت پر استدلال کیا گیا ہے وہ غلط و باطل ہے۔ مسئلہ مذکورہ میں صرف چار قوتیں کام کر رہی ہیں۔ حاصرہ اور تین دافعہ یعنی منہیہ، دافعہ، نافلہ۔ یہ ایسے مباحث جلیلہ ہیں جو دیگر کتب ان مباحث سے خالی ہیں نافریت

و جاذبیت کے رد و ابطال میں سیکڑوں دلائل پیش فرمائے ہیں اہل نظر و فکر "فوز مبین و معین مبین" کا مطالعہ کریں۔

جاذبیت سے متعلق اعلیٰ حضرت اور ایک نواب کا مکالمہ

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ کی نوعمری کا واقعہ ہے کہ اعلیٰ حضرت قبلہ ایک طبیب کے یہاں تشریف لے گئے۔ ان کے استاد ایک نواب صاحب تھے (جو علم عربی بھی رکھتے تھے اور علوم جدیدہ کے گرویدہ) استاد طبیب صاحب کو مسئلہ جاذبیت سمجھا رہے تھے اور کہ ہر چیز دوسری کو جذب کرتی ہے (اور کھینچتی ہے) اثقال کہ زمین پر گرتے ہیں نہ اپنے میل طبعی بلکہ کشش زمین سے۔ اعلیٰ حضرت قبلہ بھاری چیز اوپر سے دیر میں آنا چاہئے اور ہلکی جلد کہ آسان کھینچی گئی حالانکہ امر بالعکس ہے۔ نواب صاحب ثقیل جنسیت موجب جذب ہے میں اجزار ارضیہ زائد ہیں لہٰذا زمین اسے زیادہ قوت سے کھینچتی ہے اعلیٰ حضرت۔ جب ہر شئے جاذب ہے اور اپنی جنس کو بہایت قوت سے کھینچتی ہے تو جمعہ وعیدین میں امام ایک ہوتا ہے اور مقتدی ہزاروں چاہئے کہ مقتدی امام کو کھینچ لیں۔ نواب صاحب اس میں روح مانع اثر جذب ہے۔ اعلیٰ حضرت۔ ایک جنازے پر دس ہزار نمازی ہوتے ہیں اور اس میں روح نہیں کہ نہ کھینچنے دے تو لازم ہے کہ مردہ اگر نمازیوں سے لپٹ جائے۔ نواب صاحب خاموش رہے۔
(اور کوئی جواب نہ بن پڑا نواب صاحب بالکل چپ ہو گئے)

جاذبیت سے متعلق اعلیٰ حضرت اور ایک نواب کا مکالمہ

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ کی نوعمری کا واقعہ ہے کہ اعلیٰ حضرت قبلہ ایک طبیب کے یہاں تشریف لے گئے۔ ان کے استاد ایک نواب صاحب تھے (جو علم عربی بھی رکھتے تھے اور علوم جدیدہ کے گرویدہ) استاد طبیب صاحب کو مسئلہ جاذبیت سمجھا رہے تھے اور کہ ہر چیز دوسری کو جذب کرتی ہے (اور کھینچتی ہے) اثقال کہ زمین پر گرتے ہیں نہ اپنے میل طبعی بلکہ کشش زمین سے۔ اعلیٰ حضرت قبلہ بھاری چیز اوپر سے دیر میں آنا چاہئے اور ہلکی جلد کہ آسان کھنچے گی حالانکہ امر بالعکس ہے۔ نواب صاحب جنسیت موجب جذب ہے۔ ثقیل میں اجزاء ارضیہ زائد ہیں لہٰذا زمین اسے زیادہ قوت سے کھینچتی ہے

اعلیٰ حضرت۔ جب ہر شئے جاذب ہے اور اپنی جنس کو نہایت قوت سے کھینچتی ہے تو جمعہ و عیدین میں امام ایک ہوتا ہے اور مقتدی ہزاروں چاہئے کہ مقتدی امام کو کھینچ لیں۔ نواب صاحب اس میں روح مانع اثر جذب ہے۔ اعلیٰ حضرت۔ ایک جنازے پر دس ہزار نمازی ہوتے ہیں اور اس میں روح نہیں کہ نہ کھینچنے دے تو لازم ہے کہ مردہ اگر نمازیوں سے لپٹ جائے۔ نواب صاحب خاموش رہے۔

(اور کوئی جواب نہ بن پڑا نواب صاحب بالکل چپ ہو گئے)

تیسرا مسئلہ
پانی میں مسامات و منافذ

فلسفہ جدیدہ کا دعویٰ ہے کہ پانی میں منافذ و مسامات ہیں اور مسامات ہونے پر فلسفہ جدیدہ کی دلیل یہ ہے کہ شکر ڈالنے سے پانی میں حل ہو جاتی ہے اور اس کا حجم نہیں بڑھتا لہٰذا اگر پانی میں مسامات نہ ہوتے تو حجم ضرور بڑھتا شکر کا حل ہو جانا اور حجم کا نہ بڑھنا منافذ و مسامات ہونے کی دلیل ہے۔

امام موصوف فلسفہ جدیدہ کی اس دلیل کا رد کرتے ہوئے سائل کے سوال پانی میں مسام ہیں یا نہیں ؟ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ نہیں پانی میں بالطبع خلاء بھرنے کی قوت رکھی گئی ہے ضروری ہے کہ جو مسام فرض کئے جائیں وہ پانی کہ جوان سے اوپر ہے ان کیطرف آئے گا اور انہیں بھرے گا اور مسام ہونے پر فلسفہ جدیدہ کی یہ دلیل مقبول نہیں، جب زیادت قدرے احساس کو پہونچے گی ضرور حجم بڑھنا محسوس ہوگا۔ (الملفوظ حصہ اول ص۱۰۲)

پانی میں منفذ و مسامات ہونے پر ایک شبہہ پیدا ہوتا تھا اس کا ردیوں فرماتے ہیں ایک استدلال اس پر یہ خیال میں آتا ہے کہ حوض کے کنارے ایک شخص کھڑا ہے دوسرا شخص غوطہ لگائے باہر والا شخص باآواز پکارے اگر مسام ہے تو ضرور سنے گا۔ اور سنتا معلوم ہوا کہ مسام ہیں۔ بخلاف اس کے ایک کمرہ کہ

تیسرا مسئلہ
پانی میں مسامات و منافذ

فلسفہ جدیدہ کا دعویٰ ہے کہ پانی میں منافذ و مسامات
ہیں اور مسامات ہونے پر فلسفہ جدیدہ کی دلیل یہ ہے کہ شکر ڈالنے
سے پانی میں حل ہو جاتی ہے اور اس کا حجم نہیں بڑھتا ہٰذا
اگر پانی میں مسامات نہ ہوتے تو حجم ضرور بڑھتا شکر کا حل ہو جاتا
اور حجم کا نہ بڑھنا منافذ و مسامات ہونے کی دلیل ہے۔
امام موصوف فلسفہ جدیدہ کی اس دلیل کا رد کرتے ہوئے
سائل کے سوال پانی میں مسام ہیں یا نہیں؟ اس کے جواب میں
فرماتے ہیں کہ نہیں پانی میں بالطبع خلاء بھرنے کی قوت رکھی گئی
ہے ضروری ہے کہ جو مسام فرض کئے جائیں وہ پانی کہ جو ان سے
اوپر ہے ان کیطرف آئے گا اور انہیں بھرے گا اور مسام ہونے پر
فلسفہ جدیدہ کی یہ دلیل مقبول نہیں، جب زیادت قدر سے احساس
کو پہونچے گی ضرور حجم بڑھنا محسوس ہو گا۔ (الملفوظ حصہ اول ص١٠٢)
پانی میں منفذ و مسامات ہونے پر ایک شبہہ پیدا ہوتا تھا
اس کا رد یوں فرماتے ہیں ایک استدلال اس پر یہ خیال میں آتا ہے
کہ حوض کے کنارے ایک شخص کھڑا ہے دوسرا شخص غوطہ لگائے باہر
والا شخص باآواز پکارے اگر مسام ہے تو ضرور سنے گا۔ اور سنتا
معلوم ہوا کہ مسام ہیں۔ بخلاف اس کے ایک کمرہ ...

فرض کیجئے جس میں کہیں روزن نہ ہو جس کے اندر کی آواز باہر نہ
آئے گی اور باہر کی آواز اندر نہ جائے گی اگرچہ باہر دو شخص متصل
کھڑے ہو کر ایک دوسرے کو باواز بلند پکاریں، مگر یہ استدلال بھی کافی
نہیں آواز پہونچنے کیلئے مسام فاصل میں تموج چاہئے مسام کی
حاجت ، ہاں جہاں تموج نہ ہو بذریعہ مسام پہونچے گی آئینہ میں تمو
نہ مسام لہٰذا نہ پہونچے گی پختہ وخام عمارت میں تموج نہیں منافذ
ومسام ہیں ان سے پہونچتی ہے آپ ہوا خود اپنے تموج پہونچاتے
ہیں اور یہی اصل ذریعہ صوت ہے ہوا میں تموج زائد ہے کہ پانی
سے الطف ہے وہ زیادہ پہونچاتی ہے اور پانی کم، تالاب میں دو شخص
دونوں کناروں پر غوطہ لگائیں اور ان میں سے ایک اینٹ پر اینٹ
مارے تو دوسرے کو آواز پہونچے گی مگر نہ اتنی کہ ہوا میں (الملفوظ اول)

فرض کیجئے جس میں کہیں روزن نہ ہو جس کے اندر کی آواز باہر نہ
آئے گی اور باہر کی آواز اندر نہ جائے گی اگرچہ باہر دو شخص متصل
کھڑے ہو کر ایک دوسرے کو باواز بلند پکاریں، مگر یہ استدلال بھی کافی
نہیں آواز پہونچنے کیلئے مسام فاصل میں تموج چاہئے مسام کی کر
حاجت، ہاں جہاں تموج نہ ہو بذریعہ مسام پہونچے گی آئینہ میں تموج
نہ مسام لہٰذا نہ پہونچے گی پختہ و خام عمارت میں تموج نہیں منافذ
و مسام ہیں ان سے پہونچتی ہے آب ہوا خود اپنے تموج پہونچاتے
ہیں اور یہی اصل ذریعہ صوت ہے، ہوا میں تموج زائد ہے کہ پانی
سے الطف ہے وہ زیادہ پہونچاتی ہے اور پانی کم، تالاب میں دو شخص
دونوں کناروں پر غوطہ لگائیں اور ان میں سے ایک اینٹ پر اینٹ
مارے تو دوسرے کو آواز پہونچے گی مگر نہ اتنی کہ ہوا میں (الملفوظ اول ص۴۹)